

جاسوسی دنیا نمبر 98

رلانے والی



(مکمل ناول)

اردو فینز ڈاٹ کام

پیشہر

رلانے والی مجھے رلاتی رہی اور کتاب اس بار لیٹ ہو گئی۔ اس کتاب کے اشتہار میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوا کہ فریدی حمید کو دیکھ کر متjur رہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ فریدی سے زیادہ حمید خود فریدی کے معاملے میں متjur تھا۔

عمران سیریز کے نالوں ”گیت اور خون“ زیادہ تر پڑھنے والوں کو پسند آیا تھا اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اتنے خطوط آئے تھے کہ فروافرو اور خط کا جواب لکھنا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اتنے لکھے کو بہت جانے اور میرا شکریہ بقول فرمائیے۔ دو چار خطوط میں ناپسندیدگی بھی ظاہر کی گئی تھی۔ بہر حال ان حزادات کا بھی شکریہ۔

اسی نالوں میں کہیں میں نے ”ورتیم“ لکھا تھا۔ لہذا ایک صاحب نے اس کے معنی پوچھے ہیں ”رتیم“ کے لغوی معنی ہیں ”اکیلا“..... خاص قسم کا برا اموی جو صدف میں ایک ہی ہوتا ہے..... اسے ”گوہر یکداش“ اور ”در شہوار“ بھی کہتے ہیں۔

تنیجہ..... در شہوار نام کی خواتین بھی ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے انہیں ”ورتیم“ کہنا شروع کر دیا تو نتیجے کے آپ خود مدد دار ہوں گے۔

جاسوی دنیا کے پلائم جو بلی نمبر کے لئے ابھی سے تقاضے شروع ہو گئے ہیں۔ مطمئن رہئے۔ پڑھنے والوں کی خواہشات کے احترام میں اس کے لئے بھی کچھ کیا جائے گا۔

خیم نالوں ”دیوبیکر درندہ“ کا شوشه میں نے یونہی نہیں چھوڑا تھا۔ دیگر احوال یہ ہے کہ رسائل اور اخبارات کی قبصیں بڑھ رہی ہیں۔ کتابیں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکتیں۔ آخر وہی سب کچھ تو کتابوں کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کی گرانی کی بناء پر اخبارات اور رسائل کے دام بڑھائے گئے ہیں۔ فی الحال یہ تحریر پر تقصیر حالات کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن کتب تک..... ہو سکتا ہے عمران سیریز اور جاسوی دنیا کی قیمتوں میں بھی اضافہ کرنا پڑے۔ لہذا کچھ خیال نہ فرمائیے گا۔

ابن صفعہ

۱۱/۱۰/۱۹۷۶

حیرت کے المحاذ

ہائی سرکل نائنٹ کلب کے ڈائیکٹ ہال میں مدھم ہی سبز مائل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میری آباد تھیں۔ ہونٹ ملتے نظر آتے۔ ہاتھ متjur ہونتے لیکن ملی آوازوں کا آہنگ ہلکی سی بھینٹاہٹ سے آگے نہ بڑھنے پاتا۔ تھوڑے تھوڑے وقٹے سے جب ہلکی موسيقی ہال میں گوشی تو پھر آوازیں بالکل ہی دب کر رہے جاتیں۔

کیپشن حمید اپنی میز پر نہما تھا۔

تھا اور اداں..... تھا اس لئے کہ ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اور اداں اس لئے کہ شادی ہو جانے کے بعد بچے بھی ہوتے ہیں اور انہیں گھر پر چھوڑ کر خود کلب چلے آتا اس بات کی دلیل ہے کہ کلبوں میں مارے پھرنا کوئی معقول حرکت نہیں۔ لہذا وہ شادی کرے گا اور نہ اسے نامعقولیت کے احساس سے دوچار ہونا پڑے گا۔
تھائی اور ادا کی برحق ہے۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور پاپ میں تباہ کوہرنے لگا۔

”کئی دن سے ایک بچلی ڈاڑھ میں تکلیف ہے؟“ فیر نے بوس کر کہا۔
 ”لا جوں ولا قوہ.....!“
 ”جی.....!“ وہ چوک کرائے گھورنے لگا۔
 ”ڈاڑھ.....!“ حمید کے لمحے میں خوارت تھی۔ ”تم خود کو شاعر کہتے ہو۔“
 ”لکھ.....کیوں.....!“
 ”ایسے کریبہ الصوت الفاظ تمہاری زبان سے ادا کیسے ہوتے ہیں۔“
 ”واہ جناب..... تو پھر ڈاڑھ کو کیا کھوں۔“
 ”مت یور کرو۔“ حمید برا سامنہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔
 ”پتھر نہیں آج آپ کا موڈ کیا ہے؟“
 حمید جھنگلا کر پلنا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں آج بہت اداس ہوں۔
 ہے کوئی علاج تمہارے پاس۔“
 ”علاج.....!“ فیر نے قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سخیدہ ہو کر دوپن ہاتھوں سے اپنا⁷
 بیان پہلو دبائے ہوئے کہا۔ ”میں بھول جاتا ہوں کہ دل کا مریض بھی ہوں اور مجھے اتنے زور
 سے نہ ہنسنا چاہئے۔“
 ”کاش تم پچھر دیر اور اسی طرح ہستے رہ جے۔“
 ”تو آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤ۔“
 ”اکثر بیویاں اپنے شوہروں سے ایسے سوالات کرتی ہیں۔“
 ”اچھی بات ہے۔“ فیر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں تو نیکی کرنے آیا تھا..... بہاں یہ
 بقول شاعر..... ہونہے۔“
 ”بیٹھ جاؤ۔!“ حمید نے اس کا با تھک پکڑ کر تکمانتہ لمحہ میں کہا۔
 ”نہیں صاحب! میں تو نہیں ہوں..... بقول.....!“
 ”شعر اب بھی نہیں سنوں گا۔!“ حمید نے اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے

ایک اپنی نغمہ لاوڑا اپنکر سے منتشر ہو رہا تھا۔ فضائل، ایک ماوس کی خشبو رچی بھی تھی۔
 اسی ہال میں اس نے صدھا خونگوار شامیں گزاریں تھیں..... تنہا بھی اور دوسروں کے
 ساتھ بھی..... لیکن یہ شام..... نہ جانے کیوں عجیب سی لگ رہی تھی۔
 نہ اسے کسی کا انتظار تھا اور نہ کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آیا تھا..... نہ اداسی ادائی تھی
 اور نہ تھاں۔ اداس تو وہ یہاں پہنچ کر ہو گیا تھا۔
 اس نامعلوم سی اداس کا دورہ اکثر پڑتا تھا۔ اب اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
 اس تاثر کوہن سے جھکل دینے کے لئے کیا کیا جائے۔
 دھنٹا کلب کے فیجر پر نظر پڑی جو اسی کی طرف آ رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور
 آنکھیں پرتاک انداز میں چک رہی تھیں۔
 ”میری خوش قسمتی ہے جناب کہ آپ کبھی بھی تشریف لاتے رہتے ہیں۔“ اس نے
 قریب پہنچ کر کہا۔ ”بقول شاعر۔“

”ایک منٹ.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”شعر نئے بغیر بھی تم مقصد بیان کر سکتے ہو۔“
 ”جی ہاں..... جی ہاں۔“ وہ دانت نکالے ہوئے بیٹھ گیا۔
 ”ہوں..... کیا بات ہے؟“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ عاقر قرہ جان کے کہتے ہیں۔“
 ”ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں کوئی موڑ مکینک ہوں۔“
 اسی پروہنی کے مارے دو ہمراو گیا۔
 حمید اسے شرات آمیز نظرؤں سے دیکھتا ہوا بلکہ جھپکتا رہا۔ کچھ دیر بھی پر قابو پانے
 میں لگی۔ پھر وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ”ارے جناب! بھلاس کا موڑیا اس کے مکبرم سے کیا
 سروکار..... یہ تو ایک حکیم صاحب کے لکھے ہوئے نئے کی چیز ہے۔“
 ”اوہ.....!“ حمید نے ایسا منہ بتایا جیسے اپنی غلط بھی پر نادم بھی ہو اور جھلابت میں بھی
 بتلا ہو گیا ہو۔

ہوئے کہا۔

”خیر ہٹائیے..... میں نہیں چاہتا کہ بات اس حد تک بھی بڑھے۔“

”تمہاری مرضی۔“

”کیا میں آپ کے لئے کافی ملگاؤں۔“ فیجر نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

”نہیں میں جنگر پیوں گا۔ جب بھی معدہ چوپٹ ہوتا ہے تہائی کے اجسas کے ساتھ ہی ادا کی بڑھ جاتی ہے۔“

”جواب نہیں ہے آپ کا بھی۔ خیر چھوڑیے۔ جس طرح آپ حق دوستی ادا کرتے ہیں اسی طرح اس وقت میں بھی اپنے فرش سے سکدوش ہونا چاہتا ہوں۔“

”یعنی..... تم مجھے ایک بوتل جنگر پلا کر سکدوش ہو جاؤ گے۔“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”سچھنے کی کوشش کیجئے۔“ فیجر بے حد سخینہ ہو کر بولا۔

حمدی نے حرمت ظاہر کرنے کے لئے جلدی جلدی پلکنس جپکا میں اور استفہامیہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

”کل یہاں ایک حرمت انجیز منظر دیکھنے میں آیا۔“ فیجر حمید کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ حمید نے پھر کچھ نہ کہا۔ فیجر نے خاموش ہو کر اس کی آنکھوں میں غالباً اپنے جملے کا دعمل پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

اب حمید بر جھکائے اپنے پاپ کو اس طرح سہلا رہا تھا جیسے وہ پھدک کر اخلاقاً فیجر کی گرد میں جاییتھے گا۔

”اور وہ منتظر.....!“ فیجر کچھ دیر بعد بولا۔ ”خدا کی قسم میرے لئے تو بے حد حرمت انجیز تھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی انہیں ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔“

”کیا ایک ناگ پر کھڑے ہو کر باگ دے رہے تھے۔“

”اس سے بھی زیادہ حرمت انجیز..... ارے وہ ایک عورت کی آنکھوں میں ایسی محبت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے سوچا کاش میں بھی عورت ہوتا۔“

”کسی نے ہوائی چھوڑی ہوگی۔“ حمید بے اعتباری سے ہنسا۔

”نہیں صاحب! میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ فیجر نے کلائی چھڑانے کیلئے زور لگایا۔

”ٹوٹ جائے گی۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”لا جوں ولا قوہ۔“ فیجر نے جھینپے ہوئے لبجھ میں کہا اور اس طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اندازہ کرنا چاہتا ہو کہ کسی نے اس کو اس حال میں دیکھا تو نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔ ”براؤ کرم ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ میں نہیں اٹھوں گا۔“

”یہ لو.....!“ حمید نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ”اوہ موڈ ٹھیک ہونے کے لئے صرف دو منٹ دے سکتا ہوں..... تم نہیں جانتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ ملحوظ خاطر رہے کہ اگر محجوب سے چھیڑ چھاڑ بھی نہ ہوتی رہے تو پھر محبت کا فائدہ میں کیا..... بقول شاعر.....!“

فیجر بے نی سے فس پڑا۔

اب ہال میں ایک طریقہ نمود گونج رہا تھا۔

قریب کی میرے نازہ کافی کی بھاپ حمید کے نہنوں تک پہنچی اور اس نے فیجر کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ ”تو آج کل نہس کافی پڑی رہی ہے۔ لیکن یہ ایمپورٹ تو ہوتی نہیں۔“

”ہرگز نہیں جتاب۔ ہم پوس کے علاوہ اور کوئی براثنیں استعمال کرتے۔“

”کرتے ہو بھی تو کیا..... جسے ہم چاہیں.....!“ حمید جملہ پورا کرنے کی وجہ سے صرف

بائیں آنکھ دبا کر رہا گیا۔

”مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے جناب..... لیکن معاف کیجئے گا آپ حضرات نے اس کرامہ پورا کو بہت سرچہار کھا ہے۔“

”انور کی بات کر رہے ہو۔“

”جی ہاں۔“ فیجر نے تجوہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”وہ حضرت مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔“

”ایک شکایت لکھ کر میرے حوالے کرو۔ کل ہی بند کرانے دیتا ہوں۔“

”تم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔“

حید جانتا تھا کہ وہ قسمیں کھانے کا عادی نہیں لہذا اسے سنبھل کر بیٹھ جانا پڑا۔

”لیکن اتنی خوبصورت عورت بھی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔“

”تمہیں یقین ہے۔“

”کاش میں اس کے حسن کے بارے میں الفاظ کے اختاب پر قادر ہوتا۔“ فیجر نے
مختصر سانس لی۔

حید نے پاپ سلاگ کر جلدی جلدی دو تین کش لئے اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”لیکن میں نے دیکھا ہے کہ وہ بھی ایک محرزہ کی طرح کرٹل کے بازوں میں آگئی تھی۔“

”تم اونگ تو نہیں رہے۔“ حید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

”یا خدا۔۔۔ اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھے غارت کرو۔“

”اچھا۔۔۔ انھوں نے چلو۔۔۔ چلو اپنے آفس میں چلو۔“ حید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بڑے
پیار سے بولا۔

فیجر کے چہرے پر کچھ ایسی سمجھیگی طاری تھی جیسے وہ اس اکشاف کے بعد دنیا کی اہم
ترین شخصیت بن گیا ہو۔

وہ آفس میں آئے۔۔۔ یہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فیجر کی حالت میں کسی قسم
کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔۔۔ ہنویں آنکھوں پر جھکی آرہی تھیں اور ہونٹ بچپنے ہوئے تھے۔ حید
اسکی طرف ایک بار سے زیادہ دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اس کے چہرے کی کسی نئی تبدیلی پر پتے
نہیں کب تھی آجائے۔

”آپ کو یقین نہیں آ رہا۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے بھی اپنی
آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔ اسے کسی طرح بھی جھٹالا نہیں
جا سکتا۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے لیکن حیرت کا انہمار تو مجھے بھی کرنا ہی پڑا تھا۔“

چکر لگاتے پھر وہ۔

”یہ سرا اتھام ہے۔“

”بقول شاعر.....!“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکریا۔

”آپ کی آنکھوں میں مردت نہیں ہے۔“ فیجر اتنی دری میں غصے سے ہائپنے لگا تھا۔

”خیر میں تو معلوم ہی کرلوں گا کہ چکر کیا ہے..... پھر دیکھنا۔“

”کیا دیکھوں گا.....؟“

”کچھ نہیں۔“ حمید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔

فیجر سے ملی ہوئی اطلاع دلچسپ بھی تھی اور تشویش ناک بھی..... اس کا خیال تھا کہ کبھی نہ بھی آتش فشاں سے لا ادا ضرور پہنچے گا۔ فطرت سے کب تک جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے۔

وہ عجیب سی بے چینی میں بنتلا ہو گیا تھا۔ ایک بے نام ہی خلش..... لا حول ولا قوۃ..... اس نے سوچا..... بھلا اسے کیا؟

فریدی صاحب بھی آدمی ہیں..... محاورہ لو ہے کے بنے ہوں گے، لیکن رگوں میں تو خون دوڑ رہا ہے اور دل بھی محاورہ ہی پھر کا ہو سکتا ہے لیکن اس کی موقع نہیں کی جاسکتی کہ دوسروں کی محبوبائیں پر ہاتھ دالتے پھریں گے۔

لیکن آخر وہ عورت کیسی ہو سکتی ہے جس نے ایسے شفہ آدمی کو اسی پر رہا روی پر مجرور کر دیا۔

فیجر کم از کم اس سے اس کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔

لا حول ولا قوۃ..... اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن کو جھکھارنے کی کوشش کی۔ بھلا اسے کیا؟ ہو گا کچھ.....!

بوریت بڑھتی جا رہی تھی۔

اس نے سوچا کیوں نہ قاسم کو بلا لایا جائے۔ اس کے ساتھ وقت بہر حال اچھا کرتا ہے۔

کاؤنٹر سے اسے فون کیا۔ مگر ہی پر موجود تھا لیکن چھوٹتے ہی بولا۔

ہے۔ لڑکے کا نام فولاد خان رکھا تھا..... سختا ہوں یہ گم صاحب نے وجہت کہنا شروع کر دیا تھا۔

اس پر تین سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ خادمانی لوگ ہیں..... نوابی گئی تو سرمایہ داری اختیار کی۔ بہر حال اب ہیں تو بنیتے ہیں لیکن اکٹھوں وہی ہیں..... صابرزادے پانچ چھ سال

لیکس اس میں رہ کر آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے پیدا بھی وہیں ہوئے ہوں..... اردو بھی امریکی لمحے میں بولتے ہیں۔ بات بات پر ایسا منہ بنا میں گے جیسے کسی نے گالی دے دی ہو۔

مگر ہے جتاب طاقتور..... میز پر ایک ہی گھونسہ مارا تھا کہ جس سے دلکش ہے ہو گئی۔“

”تو وہ کیوں تاؤ کھاتا رہا تھا۔“

”عورت دراصل اسی کے ساتھ تھی۔ کرٹل نے اس کی پرواہ کے بغیر رقص کے لئے اس

کی طرف ہاتھ بڑھائے تھے..... اور وہ ان کے بازوؤں میں کچھی چلی گئی تھی۔“

حمدید کی بھنوں تین گئی تھیں اور وہ بجا ہوا پاسپ سلکانے لگا تھا۔

”پھر میں نے خان وجاہت کو بڑی بڑی قسمیں کھاتے ساتھا..... شاہزاد کرٹل صاحب کو

پہچانتا نہیں..... اس لئے کہہ رہا تھا وہ کوئی بھی ہو میں اسے جان سے مار دوں گا۔“

”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ راڈنٹ ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا۔“ حمید نے اکتا کر کھا۔

”پھر وہ رقص کرنے والوں کی بھیتر سے تباہا پیس آتی دکھائی دی تھی۔ کرٹل صاحب تو

کہیں نظر نہ پڑے تھے۔“

”تم بتانا کیا چاہتے ہو.....؟“

”کمال ہو گیا..... آپ انھیں تک سمجھے ہی نہیں۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔“

”کیا.....؟“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”کیا میں ہر ایک کی دم سے بندھا پھرتا ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ تم بھی اس عورت میں دلچسپی لیتے رہے ہو ورنہ اس کے بارے میں تماں تفصیل سے کیسے بتا سکتے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ تم ہر وقت ڈانگنگ ہاں یا ریکریشن ہاں کے

پھر اس کا جی چاپا کر اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر پاگلوں کی طرح چیختا ہوا وہاں سے نکل بھاگے۔ شاید ایسا کر بھی گذرتا..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک عورت نظر آئی۔ صدر دروازے سے ہاں میں داخل ہو رہی تھی۔ غیر ملکی تھی اور کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن خدا کی پناہ..... حسن بے پناہ کی تصویر۔ حمید تو بس دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر یہ بھی بھول گیا کہ ابھی عورت ہی کے تصور سے پیچھا چھڑانے کیلئے دیوانہ پن کی سرحدوں کو چھوٹے لگا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔

رفقاڑ کا تو جواب ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے لمبڑوں میں کنوں ڈول رہا ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور پر نظر نہ تھی۔

اس نے اسے ڈائینگ ہال سے گزر کر ریکارڈینگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ نظر دوں سے اوچھا بس.....! دوسری طرف سے جلالی ہوئی سی آواز آئی اور سلسہ منقطع کر دیا گیا۔

چھپا جانے کے باوجود ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہلکے ہلکے ہمکورے لئے آگے بڑھتی چل جا رہی تھی۔

وختا وہ کسی کی سرگوشی پر چوڑکا..... مرکر دیکھا تو مخبر نظر آیا..... وہ اب بھی اس طرح جھکا کھڑا تھا جیسے اس کے کان ہی میں کچھ کہنا چاہتا ہو۔ اس نے سرگوشی کی۔

”دیکھا آپ نے.....!“

حمدیہ نے اشتبائی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور ریکارڈینگ ہال کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

”مارے کر قتل صاحب بھی.....!“ اس نے مخبر کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی۔

حمدیہ پھر اس کی طرف مڑا۔ فریڈی پر نظر پڑی۔ وہ صدر دروازے سے داخل ہو کر اسی طرف آرہا تھا۔

حمدیہ نے ہونٹ بھیجنی لئے اور مخبر کو اس طرح گھونٹ نگاہیں مار دیتے گا۔

شام کو اس کی اسی حرکت کی بناء پر فریڈی سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے یچے سے اوپر تک حمید کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”میں اس وقت نہیں آ سکتا۔“

”آخ رکیوں.....؟“

”میری بیگم ایک استانی سے اسکراہیڈری کا کام سکھ رہی ہیں۔“

”بیگم سکھ رہی ہیں نا۔..... تم چلے آؤ۔“

”نہیں میں درج رہا ہوں..... کہیں اللہ سید حناہ سکھا دے۔“

”کیسی ہے.....؟“

”لاحوال ولاکوت..... سالے ہمیشہ گندی باتیں سوچوں گے۔“

”ضرور تمہارے معیار کی ہے تھی.....!“

”اچھا بس.....!“ دوسری طرف سے جلالی ہوئی سی آواز آئی اور سلسہ منقطع کر دیا گیا۔

حمدیہ نے بھی رسیور رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ عورت ہر طرف عورت

چھار جانب اسی کے تذکرے لعنت ہے..... اور تو اور..... میں خود بھی..... تو کیا اب

میں خدا پنے ہی سر پر جوتے لگاؤں۔ ارے حد ہو گئی..... یہ بڑھتے..... عورتوں کی بے راہ

روی کا تذکرہ تو منہ بگاڑ کر زین گے لیکن تفصیل کے ساتھ۔۔۔ رال پکاتی ہوئی آنکھیں اس

وقت دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں جب وہ ان کے چست لباس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہونتوں میں

تو مفتر آمیز کھنچا ہوتا ہے لیکن آنکھیں بھیک مانگی نظر آتی ہیں اور پھر آخر تفصیل میں جانے کی

کیا ضرورت ہوتی ہے۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ آج کل کی عورت خود نمائی کے سلسلے

میں سخت نامعقولیت کا ثبوت دے رہی ہے..... اُوہ..... عورت..... عورت.....!

اس نے اپنے بالوں کو نٹھی میں جکڑ کر جھکھا دیا۔ کس طرح نکلے عورت ذہن سے۔ کیا

ضروری ہے کہ بڑھوں اور ان کی ذہنی کجھوں کے بارے میں سوچا جائے۔ ضرور سوچا

جائے گا۔۔۔ کیونکہ عورت کا معاملہ ہے۔ ہزار بار لعنت۔۔۔ خداوندانیں کیا کروں۔۔۔ آدمی کی

پلی سے کسی حوا کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی۔۔۔ تو بڑی شان والا ہے۔۔۔ صرف آدم سے ہی

کام چلا لیا ہوتا۔۔۔ نہیں چل۔۔۔ عورت کے بغیر تیری بھی نہیں چل۔۔۔

”لک کے کچھ نہیں جناب.....!“ فیجر بکلایا۔

”تو پھر.....!“

”کچھ نہیں جناب عالی.....!“ فیجر نے کہا اور تیزی سے اپنے آفس کی طرف مڑ گیا۔
حمداب فریدی کی آنکھوں میں بعوردیکھ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر گہری سمجھی کے آثار تھے۔

دفتار اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں تمہارے آفیسر کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں
کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔“

دوسری خبر

پچھے در بعلان کی کھلی ہوا میں حید کو ہوش آیا۔ ورنہ اب سے تو یاد نہیں کہ وہ ہال سے باہر کیسے آیا تھا۔ خود آیا تھا یا.....!

اس نے دو چار گھری گھری سانسیں لیں اور بولکلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ خود ہی یہاں تک پہنچا تھا۔ اس نے سوچا۔ آخراں طرح تاؤ کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ لیکن فریدی کا تحکمانہ انداز شاکد اپنے اندر الٹھاڑ تفریبی رکھتا تھا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ شجر نے اسے اس عورت کے بارے میں ضرور بتایا ہوگا۔ تو پھر..... کیا اسے اسی طرح پیش آنا چاہئے تھا۔ اسی طرح.....

ایک بار پھر اس کی مٹھیاں بچھ گئیں اور بڑھتے ہوئے غصے کے اثر سے ذہن قلبابازیاں کھانے لگا۔

اچھی بات ہے فریدی صاحب۔ اس نے سوچا اگر آپ بیکے ہیں تو میرے ہاتھوں آپ کو کافی پریشان ہونا پڑے گا۔

اور پھر اسے وہ عورت یاد آگئی جو اس کے ذہن پر ایک خوابیاں کساتا تھا جو چھوڑ گئی تھی۔

”اچھی بات ہے فریدی صاحب۔“ اس بار وہ اپنے سر کو جبش دے کر بڑھا یا تھا۔

پارکنگ شیڈ سے اس نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور بس چل پڑا۔ منزل کا تعین کئے بغیر۔
پچھے در بعد ایک بھری پوری سڑک سے گذرتے وقت اس نے پیک ٹیلی فون بوتح کے قریب موٹر سائیکل روکی اور اتر کر بوتح میں آیا۔

وہ سرے لمحے میں وہ ہائی سرکل نائنٹ کلب کے شجر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے شجر ہی کی آواز آئی۔

”میں تمہارا مخلص ترین دوست بول رہا ہوں۔“ حید نے کہا۔

”یعنی..... اوہ کپتان صاحب۔“

”ہاں..... پیارے..... اب کیا احوال ہیں۔“

”اچھی میں نے ریکارڈین ہال میں جھانا کا تھا۔ دنوں الگ میزوں پر تھا ہیں۔“

”اور وہ جنم الدولہ کے فرزند رشید.....!“

”وہ تو اچھی سبک نہیں دکھائی دیا۔“

”دنوں میزوں کے درمیان انداز اکتنا فاصلہ ہو گا.....!“ حید نے پوچھا۔

”اکتنا فاصلہ کہ کچھ بھی تو نہیں ہو سکتا۔“ مضطربانہ انداز میں جواب ملا۔

”پھر بھی.....!“

”دو میزیں حائل ہیں بچ میں۔“

”اگر حائل نہ ہوتی تو تمہاری دانست میں کیا ہوتا۔“ حید نے غصیلے لمحے میں سوال کیا۔

”لک کیا ہوتا..... یعنی کہ..... عجیب سوال ہے۔“

”جاؤ.....!“ حید غرایا۔

”اوے واہ جناب..... یا اچھی رحمی۔“

”میں جواب چاہتا ہوں۔“

”اچھا تو وہی ہوتا جو ہونا چاہئے۔“ غالباً نبیر بھی طیش میں آگیا تھا۔

”کیا بک رہے ہو.....!“ حمید چینا۔

لیکن دوسرا طرف سے سلسہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے دانت پیتے ہوئے رسپور کھدیا۔

چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر دوسرے سکے کا فون کرنے کے بعد دوبارہ ہائی سرکل سے رابطہ قائم کر سکا۔

”تفاہو ہو گئے..... پیارے دوست.....!“ اس نے بڑے پیارے کہا۔

”آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں جناب۔“ نبیر کی آواز میں ابھی اکٹھا تھی۔

”تھوک دو غصہ مری جان..... ایسی سہانی راتیں بار بار نہیں آتیں۔“

”جی..... جی..... جناب..... یعنی کہ..... ہی ہی..... آپ تو..... ہی ہی..... بقول شاعر۔“

”خیر..... خیر..... سنوبات..... تمہیں ہمارے کریل صاحب پر نظر رکھتی ہے..... بڑے

پار ساختے تھے بے چارے۔“

”دل..... لیکن..... اگر انہیں معلوم ہو گیا تو.....!“

”وہ میں دیکھ لوں گا..... تم گلنہ کرو۔“

”بہت اچھا جناب.....!“

حمد سلسہ منقطع کر کے بوتحہ سے باہر نکل آیا۔ لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر اس نے سوچا کیا حماقت ہے؟ میری بلاسے۔ لیکن آخر اس بے شکر رویے کی کیا ضرورت تھی۔ دم سے تو بندھانہ رہتا۔ یا حضرت کو خیال تھا کہ میں آپ کی منکور نظر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ لا حول ولا قوۃ۔ لیکن ہے زوردار۔۔۔ کچھ عجیب سا انداز رکھتی ہے۔ آنکھیں کتنی پر اسرار تھیں۔۔۔ اتنی گھری سیاہ آنکھیں اس سے پہلے کسی سفید فام نسل میں نظر نہیں آئی تھیں۔۔۔ اور۔۔۔ جنم میں جائے۔ وہ گردن جھنک کر موڑ سائکل کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن تھوڑی دیر تک مختلف سڑکوں پر چکراتے رہنے کے بعد اس نے سوچا کہ اسے خان

وجاہت کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ وہ قام کے طبقے سے تعقل رکھتا ہے۔
مکن ہے وہ اس سے متعلق کچھ بتا سکے۔

بس پھر موڑ سائکل کا رخ عامم لامراج کی طرف ہو گیا۔

تقریباً پندرہ بیس دن سے قام سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حمید کو موقع تھی کہ ابھی ہی موز میں ملے گا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ کچھ ہی دیر پہلے وہ فون پر اپنی بیوی کی کسی استانی کا تذکرہ کرچکا ہے جو ان دونوں اُسے انہم ایڈری سکھا رہی ہے۔

بہر حال..... اس نے سوچا دیکھا جائے گا۔ قام کی چیز چاہت ہی تو پر لطف ہوتی ہے
اور اس وقت وہ تفریح کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا۔

قام کی کوئی پہنچ کر اُسے اطلاع ملی کہ ”صاحب بڑی ہیں.....!“ لیکن ملازم یہ اطلاع دیتے وقت مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔ وہ حمید سے واقف تھا۔ دونوں کے تعلقات کا بھی اسے علم تھا۔

”بے حد ضروری کام ہے۔“ حمید بولا۔

”صاحب..... انہوں نے کہا ہے کہ کسی سے بھی نہیں مل سکیں گے۔“

”بھی سے بھی نہیں۔“

”آپ ہی کے لئے تو خاص طور پر کہا ہے۔“

”اچھی بات ہے..... تو یہ پر چاہیں دے آؤ.....!“ حمید نے کہا اور اپنی پاکٹ بک کے ایک صفحے پر لکھنے لگا۔ ”رام گذھ والے“ واقعات تمہاری بیوی کو بتا دیئے جائیں گے۔“
صفحوٹ بک سے پھاڑ کر تہہ کرتے ہوئے اس نے ملازم سے کہا۔ ”آن کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ میں نہ دینا اور نہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔“

”بہت اچھا صاحب۔“

ملازم چلا گیا اور حمید پورچ میں کھڑا ہم سروں میں سیٹی بجا تارہ۔

کچھ دری بعد قام دندناتا ہوا بہر آیا۔ تو کراس کے پیچھے تھا۔

مبلغل سالا کہہ رہا ہے یوی کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں۔ میں دوسرا شادی کراؤں گا۔"

حید بولکلا گیا۔ ویسے ہی وہ سمجھتی تھی کہ قاسم کی ذہنی بے راہ روی میں اسی کا ہاتھ ہے۔

لہذا اس بات پر بھی اُسے یقین آجائے گا۔

پھر قبل اس کے کہ قاسم کی یوی اس سے کچھ کہتی اُس نے جھپٹ کر موڑ سائیکل اشارت کر دی اور دونوں میاں یوی کی آوازیں اس کے سور میں دب کر رہے گئیں۔ حید کا اندازہ تھا کہ دونوں ہی کچھ نہ کچھ بک رہے تھے۔

موڑ سائیکل فرائے بھرتی ہوئی چھانک سے گزرا گی۔

"یہ زندگی ہے؟" اس نے سوچا۔ "اور اپنے ہی ہاتھوں پھر کیا کیا جائے۔"

"عیش!" ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی اور اس نے اگلی ہی سڑک سے موڑ سائیکل کا رخ نیا گرا کی طرف موڑ دیا۔

رات کے تو بے تھے۔ شہر بے باہر نکلتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے ساری ذہنی گھنٹن خلاء کی وسعتوں میں تخلیل ہو گئی ہو۔

موڑ سائیکل خاصی تیز رفتاری سے راستے کر رہی تھی۔ نیا گرد تک پہنچنے پہنچنے اس کا موڈ بالکل ہی بدلتا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شام ہی سے کافی ہشاش بشاش رہا ہو۔

نیا گرد حسب دستور زندگی سے بھر پور تھا۔ ہال میں بیتیری جانی پہچانی شکلیں نظر آئیں۔ بعض لوگوں نے اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی بھی دعوت دی۔ لیکن وہ وہ تو اس وقت نہ جانے کیا چاہتا تھا۔

بس ایک ایسی میز فتحب کی جو دور افراط ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایسی جگہ تھی جہاں سے ہال کی ساری میزوں کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

اتھ بڑے ہال میں ساری ہی میزیں تو انگوچ ہو نہیں سکتی تھیں۔ دراصل یہی خیال اسے

نیا گرد تک لے آیا تھا۔ ورنہ شہر کے ہوٹلوں میں اس وقت تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔

"تم جاؤ!" حید نے ملازم سے کہا اور اس نے اس کے چہرے پر یاوی کے آثار دیکھے۔ قاسم کے ملازمین تک اس کے بیکنے کے منتظر رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خاصی تفریخ ہے کہتا تھا بہبک کر۔

وہ چلا گیا..... قاسم اب بھی خاموش کھڑا حید کو گھوڑے جارہا تھا۔

"تم سے ایک آدمی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔" حید نے آہتہ سے کہا۔

"میں تم سے پوچھتا ہوں تم نے دھمکی کیوں دی۔" قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ "وہ

میری جورو ہے۔ میں اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔"

"یہ نیک کام جلد سے جلد کرو ڈالو تاکہ میں تمہارے لئے دوسرا جورو کا انتظام کر سکوں۔"

حید نے بے حد سمجھدی سے کہا۔

"میں بھرے میں نہیں آؤں گا..... چکد نہیں ہوں۔"

"اب اتنی بے اعتباری میں تو تمہارے لئے یہاں تک!"

حید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ قاسم کی یوی بھی پہنچ گئی اور قاسم نے بوکھلائے ہوئے

لنجے میں کہنا شروع کیا۔ "ابے چوب ابے چوب!"

یوی دونوں کو خاموشی سے گھوڑے جاری تھی۔

"ہاں تو تم خان وجاہت کو جانتے ہو!" حید نے اس کی یوی کی طرف

تجھے لغیر پوچھا۔

"گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت نہیں۔" قاسم کی یوی نے تیز لنجے میں کہا۔

"کیا مطلب?" حید نے چوکنے کی ایکس کی۔ پھر جلدی سے بولا۔

"آداب آداب بلکہ تسلیمات بھی قاسم صاحب تو اب اتنے بداعلاق ہو گئے ہیں کہ بیٹھنے کو بھی نہیں کہتے۔"

"تو م!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تم تو یہیں پورچ کی میڑھیوں پر بیٹھو گے۔"

"اب ایسی بھی کیا بد اخلاقی!" یوی نے طغیری لنجے میں کہا۔

اور وہ پوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کی نے اُسے اس طرح خواہ مکراتے تو نہیں دیکھے لیا۔

یہاں کا حساب بے باق کرنے کے بعد اُس نے ریکارڈینگ ہال کی راہ لی۔ نہ جانے کیوں آج یہاں بھی آبادی معمول سے کچھ کم رہی تھی۔ پھر اس کی وجہ بھی اُس کی سمجھتی میں آگئی۔ نیم عریاں جسموں والا کمیرے تو تھا نہیں۔ ایک سیاہ قام نسل کی لڑکی اپنی گلوکاری کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ بھلا اُس سے کسی کو کیا وجہی ہو سکتی تھی۔

تحوڑی دیر بعد رہبا کے لئے موسمی شروع ہو گئی۔ حمید اپنی میز پر تھا ہی رہا۔

رقص کرنے والے جوڑے اٹھاٹھ کر چولی فرش پر جانے لگے۔

حمدید بے دلی سے اس ہنگامہ زنگ و صوت کی طرف متوجہ رہا۔ راؤٹ ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد ماٹیک پر معلم نے کہا۔

”خواتین و حضرات..... اب ماموزیل صفورا کلا سوری تشریف لا رہی ہیں۔ موصوف نے مغربی اور عرب موسمی میں کچھ دچھپ تجربات کئے ہیں۔ اس وقت وہ دو فوں کے امتحان سے اختراع کی ہوئی ایک چیز سنائیں گی اور رقص کے لئے آپ کو اس کے اشیپ بھی بتائیں گی۔ ماموزیل صفورا کلا سوری۔“

اور پھر وہ ایک پرمنودار ہوئی۔ سانچے میں ڈھلا ہوا جسم تھا۔ آبتوی رنگت بعض زاویوں سے چکتی ہوئی سی لگتی تھی اور سفید لباس میں تو بس وہ عی وہ نظر آرہی تھی پرے ہال میں۔

پھر جب کچھ کہنے کے لئے لب کشائی ہوئی تو حمید کو تثنیہ نہ سوچ گئی۔ کیونکہ کالے بادلوں کے دامن میں کوندے کی لپک تو بہت پرانی تشبیہ ٹھہری۔

وہ اُس گیت کے بارے میں کچھ بتانے لگی ہے پیش کرنا تھا۔ اس کے بعد رقص کے لئے اشیپ سمجھانے لگی تھی۔ کچھ جزوے اپنی میزوں کے قریب ہی کھڑے ہو کر بتائے ہوئے اشیپ کی آزمائش پر آتی آئے۔ رقص اور گیت..... گیت اور رقص..... برا خوبیاں کا محل تھا۔

ذرائعی سی دیر میں صفورا کسی دوسرا دنیا کی حقوق معلوم ہونے لگی۔ حمید کے ذہن پر بلکل سی

اُس نے ایک بار پورے ہال کا جائزہ لیا اور پھر دیڑ کی طرف متوجہ ہو گی۔ رات کا کھانا بھی ابھی تک نہیں کھایا تھا۔

سوپ پینتے وقت وہ سوچ رہا تھا اتنی واہیات شام گذار نے کا اتفاق اس سے پہلے شام کبھی نہیں ہوا۔ پہلے فریدی نے نخت توہین کی پھر قاسم پر پھینکا ہوا جو تا خدا پنے منہ پر آپڑا۔ لہذا اب بحثاطرہ بنا چاہئے ستارہ گردش میں معلوم ہوتا ہے۔

کھانا ختم کر کے اُس نے کافی طلب کی اور پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ دیڑ مینو کے ساتھ ریکارڈینگ ہال کا پروگرام بھی لا یا تھا۔

اُس میں ایک نیگر لیں کی تصویر دیکھ کر دل باغ ہو گیا۔ یہ گلوکارہ مصر سے آئی تھی اور آج کل نیا گردہ میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

رنگت جیسی بھی ہو۔ حمید نے سوچا لیکن خدو خال کچھ ایسے نہ رہے نہیں۔ آنکھیں خاصی پوشش ہیں۔

اُس نے کاؤنٹر پر جا کر اپنے لئے ریکارڈینگ ہال میں ایک میز مخصوص کرائی اور پھر اپنی جگہ آبیٹھا۔ کافی کا انتظار تھا۔ دیے کافی ریکارڈینگ ہال میں بھی پی جاسکتی تھی لیکن وہ دیڑ کو اس کے لئے ہدایت نہیں دے سکتا تھا۔

رات سک سک کر رنگت رہی۔

آخر وہ یہ سب کچھ کیوں کرتا پھر رہا ہے۔ اُس نے سوچا اور کافی کے گھونٹ پہلے سے بھی زیادہ تیخ محسوس ہوئے۔

کس کی تلاش ہے اُسے۔ کیا کسی عورت کی ہم تشنی کا خواہش مند ہے۔ شہر میں ایک نہیں درجنوں ایسی تھیں جو حضن فون کال پر دوڑی آئیں۔ یہ بھی نہیں تو پھر کیا چاہتا ہے؟

”تبدیلی..... محض تبدیلی.....“ اُس کا ذہن کسی بیچ کی طرح جیچ پڑا۔ معمولات زندگی کی یکسانیت بغیر کامے ہوئے پھرے کے جو قوں کی طرح تکلیف دہ ہو گئی تھی۔ تو پھر شاید یہ تبدیلی؟ وفتا ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ اُس کے چہرے کو دمکا گئی

لخت کے ذریعہ دومنز لیں طے کیں اور پھر اسی کمرے کے سامنے آ رکا جہاں صفوراً مقیم تھی۔
دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے آواز آئی۔ ”ایک منٹ ٹھہرو۔ میں لباس تبدیل کر رہی ہوں۔“
اور پھر پھر ایک منٹ بعد اس نے دروازہ کھولا تھا اور حمید کو دیکھ کر پھر گئی تھی۔
”ہم تو گراف.....!“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔
حید نے خاموشی سے سر کوئی میں جبشن دی۔

”پھر.....!“

”میں نہیں جانتا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور
صفوراً اسے آنکھیں چھاڑ کر دیکھنے لگی۔
”اشیج کے قریب تم ہی کھڑے تھے۔“ اس نے پکھد دیر بعد پوچھا۔

”ہاں.....شاند میں ہی تھا۔“

”یقین نہیں ہے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

”میں پکھنیں جانتا..... جب مجھے ہوش آیا تھا تو میں نے محبوس کیا تھا کہ اشیج کے
قریب کھڑا ہوں اور مجھے بڑی شرم دندگی ہوئی تھی۔“

”اوہ..... معاف کرنا..... میں نے ابھی تک تمہیں اندر آنے کو نہیں کہا۔“

”کیا ضرورت ہے..... میں نہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔“

”پھر آئے کیوں تھے؟“

”میں یہ بھی نہیں جانتا۔“

”عجیب آدمی ہو..... آؤ..... اندر آؤ..... میں تمہارے دلیں میں ابھی ہوں۔“

”میں تو اپنے ہی دلیں میں ابھی ہوں۔“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔

”واتھی عجیب ہو..... آؤ..... آؤ.....!“ وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ
موسیقی سے دلی لگاؤ رکھتے ہو۔“

غنوگی طاری تھی اور وہ شم و آنکھوں سے اشیج کی طرف تک جا رہا تھا۔

صفوراً جو کچھ بھی گاری ہی وہ انگریزی ہی میں تھا۔ لیکن کہیں کہیں اس کی لے نخستان،
خیموں کی بستیوں اور کارواؤوں کی جھلکیاں بھی دکھادتی تھی۔

کتنا سکون تھا..... لکنی طمانیت تھی..... حمید کو ذرہ برا بر بھی احساس نہ رہا کہ وہ کچھ دیر
پہلے اداسی اور اکتاہست کا شکار رہا تھا۔ وہ رقصوں کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو بن
نگر کی اُس جنت میں کھویا ہوا تھا جہاں سرورد و کیف کی نہریں جاری تھیں۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی میز سے اٹھا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دل نہیں تھا۔ آہستہ
آہستہ چلا ہوا اشیج کے قریب اُس جگہ آپنچا جہاں آرکسرا بیٹھا تھا۔

یہ جسم کی کشش نہیں تھی۔ ایک عجیب سے تاثر کے تحت حمید از خود فلکی کے عالم میں یہاں
تک آپنچا تھا۔

معینہ نے پہلے تو اس پر اپنی نظر ڈالی..... پھر دوسرا بار دیر تک اسے دیکھتی رہی اور
جب گیت ختم ہو گیا تو اس نے حمید کو بہت غور سے دیکھا اور سکرا کر اپنے سر کو جبشن دیتی ہوئی
پڑے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

حمدید پھر اپنی میز پر واپس آ گیا۔ رقص ابھی چوبی فرش ہی پر تھے کہ آرکسرا نے رقص
کے لئے کوئی اور ہم شروع کر دی اور اب صرف رقص ہی جاری رہا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے
ایک ویثر سے معلوم کیا کہ وہ روزانہ صرف ایک ہی گیت کاتی ہے..... اور اس وقت اپنے
کمرے میں واپس گئی ہو گی۔ اسکے گرد ماحوں کی بھیر نہیں رہتی۔ الگ ٹھللک زندگی گذارتی ہے۔
حمید نے طویل سانس لی اور پاپ سیں تباہ کو بھرتے ہوئے سوچنے لگا۔ ”خاصی تفریخ
رہے اگر اس سے دوستی ہو جائے اور میں اسے اپنے ساتھ ہائی سرکل لے جاؤں گا.....
ہاہا.....“ اس نے دل ہی دل میں قہقهہ لگایا اور اداسی کے بادل پھٹنے لگے۔

کمرے کا نمبر پیرے سے معلوم کر چکا تھا۔ پاپ سلاکا کر تھوڑی دیر تک ہلکے ہلکے کش لیتا
رہا پھر اسے راکھداں میں جھاڑ کر اٹھ گیا۔

”تعجب ہے..... ہمارے یہاں تو یہ یوں کی تعداد.....!“

”نہیں.....!“ حمید اپنے اٹھا کر بولا۔ ”یوں کے موضوع پر کچھ نہیں سننا چاہتا۔“
وہ پھر کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتی رہنے کے بعد بولی۔ ”میں نے محبوں کیا ہے کہ تم
لوگ بھی سفید قام نسلوں کی طرح ہمیں اچھی نظر وہ سے نہیں دیکھتے۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“

”تم پہلے آدمی ہو جو مجھ سے ملنے آئے ہو۔“

”یہ بات نہیں ہے..... تم غلط بھیں..... ہمارے یہاں کے لوگوں کو.....!“

”خیر..... ہٹاؤ..... میں تو یہاں بات کرنے کو بھی ترس گئی۔“

”کیا تم اکیلی ہی آئی ہو۔“

”ہاں.....!“

”کوئی مشجر تو ہو گا ہی۔“

”نہیں کوئی بھی نہیں۔“

”اور آر کشرا.....!“

”وہ بھی میرا اپنا نہیں ہے۔“

”یہ تو بہت بُری بات ہے۔ آدمی کو تھائی کا احساس نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ بعض اوقات
خود کشی نکل کر لیتا ہے۔“

”میں ایسے کی احساس سے آج تک دو چار نہیں ہوئی۔“

”ضرور ہوئی ہو گی..... لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُسے سمجھ بھی سکو.....!“

”تم کیا کہنا چاہتے ہو.....!“

”کچھ بھی نہیں۔ بن میں بھی احسان تھائی کا مارا ہوا ہوں۔“

”کیا کچھ بھی یوں بچے نہیں ہیں۔“

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر کو جبکش دی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اب حمید کی طرف نہیں دیکھے۔

”شام.....!“

حمدید اندر آ کر ایک پر بیٹھ گیا اور وہ میز کے گوشے سے نکل گئی تھی۔ اس کے جسم پر
زرد رنگ کا سلپنگ گاؤں پکھے عجیب سالگ رہا تھا۔ کالی رنگت کچھ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔

حمدید نے سوچا آنکھیں یقیناً خوبصورت ہیں۔

”تو بُس تم مجھ سے ملتا چاہتے تھے۔“

”یہی بات معلوم ہوتی ہے.....!“ حمید نے ان طرح کہا جیسے اس کے بیان کی تصدیق
کے لئے اپنے ذہن کو نوٹل رہا ہو۔

”اچھا تو طو.....!“ وہ نہیں پڑی۔ اس نہیں میں بھی بلا کی نیسگی تھی۔ اگر حمید آنکھیں بند
کر کے یہ آواز سنتا تو اور زیادہ مختلوظ ہوتا۔

”میں یہی تو نہیں جانتا کہ لوگ کس طرح ملتے ہیں۔“

”تم کون ہو.....؟“

”میرا نام حمید ہے..... ساجد حمید.....!“

”کیا کرتے ہو۔“

”جب سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں تو رو نے لگتا ہوں۔“

”تم نئے میں تو نہیں ہو۔“

”میں شراب نہیں پیتا.....!“ حمید نے کسی قدر ترشذی سے کہا۔

وہ تھوڑی دریک اُسے بغور دیکھتی رہی پھر پوچھا۔ ”کیوں نہیں پیتے۔“

”اس لئے کہ مسلمان ہوں۔“

”تو میں آدمی ہو۔“

”یقیناً.....!“

”کتنی یوں یاں ہیں۔“

”ایک بھی نہیں.....؟“

ربی تھی۔

کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

”ہلو.....!“ دوسری طرف سے کھٹی کھٹی سی آواز آئی۔ ”آپ کہاں سے بول رہے ہیں جاتب عالی۔“

”کہیں سے بھی بول رہا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا؟ میری بات کا جواب دو۔ کیا اب بھی کرٹل وہاں موجود ہیں۔“

”ایے دیے موجود ہیں..... بقول شاعر..... میرا خیال ہے کہ آج ہی رات کو میرا بڑا غرق ہو جائے گا۔“

”وہ کس طرح عزیز از جان۔“

”عمارت کے چھپے پر مشتبہ آدمی نظر آ رہے ہیں اور وہ حضرت ناقچے جا رہے ہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر..... لیکن آج تھا ہے۔ خان وجاہت کا دور دور مک پتہ نہیں۔“
”کیا وہ آج آیا ہی نہیں۔“

”جتاب..... اسی وجہ سے تو تشویش ہے..... کئی خونخوار قسم کے انجینی میں نے کرٹل کے آس پاس دیکھے ہیں اور وہ حضرت ہیں کہ گرد و پیش سے بے خبر..... گویا کیف و سرور کے دہارے میں ہے جا رہے ہیں بقول شاعر.....!“
”مید کی آنکھوں سے گہری تشویش کے آثار نظر آئے اور اس نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈیل میں رکھ دیا۔“

اُس کی کہانی

فی الحال تو ایکم خاک ہی میں مل گئی تھی اور اب پھر اس کی موڑ سائیکل سنان سڑک پر

۔ مید نے آپ پر ٹکر کیا۔ سرکل کے نمبر بتائے اور دوسرے ہی لمحے میں فجر سے رابطہ قائم فرائٹے بھر رہی تھی۔ وہ شہر والیں جا رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ہائی سرکل ناٹ کلب تک

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”میں تمہارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں لیکن کوئی ساتھی نہیں ملتا۔“

”اگر میں اپنی خدمات پیش کروں تو.....!“

”بصدق خوش قول کی جائیں گی.....!“ اس نے مید کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

جو بڑی محبت سے ہاتھ میں لیا گیا تھا۔

”اچھی بات ہے..... میں کل سے تمہیں شہر دکھانے کی مہم شروع کروں گا۔“

”پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”مطلوب یہ کہ تم جو اتنی مہربانی سے پیش آ رہے ہو اس کا بدل میں کس طرح دے سکوں گی۔“

”تاک دبا کر مرغ کی بوی بولو..... تین بار.....!“ مید نے کسی قدر غصیلے انداز میں کہا۔

وہ مسکرا دی اور اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔

مید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”کیا تم ہماری زبان..... اردو سمجھ سکتی ہو۔“

”نہیں..... اسی بات کا فسوس ہے۔ لیکن یہاں تو سمجھ اگر بڑی بول سکتے ہیں۔“

”ہاں..... آں.....! بعض اوقات تو اپنی زبان بھی اگر بڑی ہی لمحے میں نوٹنے کی کوشش کر ڈالتے ہیں۔“

”پھر تم مجھے اپنا گھر بھی دکھاؤ گے..... کیوں؟ میں تم لوگوں کا گھر بیلو، ہن ہن بھی دیکھا چاہتی ہوں۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ مید نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ اس کو اسی وقت گھر دکھا دیا جائے۔

”کیا میں تمہارا فون استعمال کر سکتا ہوں۔“

”یقیناً..... بڑی خوشی سے۔“

سگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سرہ نار
فجیر کچھ نہ بولا۔ ایک طرف گردن ڈالے فرش کو گھوٹا رہا۔
”آخر کچھ معلوم بھی تو ہو.....!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
”صاحب..... یہ سب میری عقل کا فتور ہے..... کسی کو لازم نہیں دیتا۔“ فجیر نے
جھائے ہوئے لمحے میں جواب دیا۔

”محظی تم سے ہمدردی ہے۔“ حمید نے بے حد زم لمحے میں کہا۔
”میری یوں قہر خداوندی ہے۔ جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔“
”صرف تمہاری ہی نہیں۔ ہر آدمی بختے میں کم از کم ایک بار ضرور یہ سوچتا ہے۔“
”میری بچھ عذاب لگی ہے..... آپ سے کیا پردہ۔“
”چلو خیر تسلیم..... لیکن بات کیا ہے۔“

”وہ کریل والی بات زبان سے نکل گئی تھی اور نکلتی کیوں نہ۔ آپ کے چلے جانے کے بعد
میرا گلا جو دبایا تھا اس نے..... میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ خدا انکوک و شہزادات والی باتیں نہ
کہجئے۔ بہرحال سب کچھ اگلنا پڑا۔ پھر یہ بتایا کہ آج خان وجہت نہیں آیا لیکن کچھ اجنبی
دوسرے مبروعوں کے مہانوں کی حیثیت سے داخل ہوئے ہیں اور ان دونوں کی نگرانی کر رہے
ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ لگ گئی ان کی ٹوہ میں..... ابھی کچھ دیر پہلے جب کریل اور وہ لاکی ایک
ساتھ باہر جا رہے تھے میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں ان لوگوں کا تعاقب کروں گی۔ کیونکہ
وہ اجنبی بھی اُنکے ساتھ ہی اخڑ گے ہیں..... میں نے لاکھ منع کیا..... خوشامد کی لیکن کون سنتا ہے۔“
”بھلا وہ محترمہ تعاقب کر کے کیا کریں گی.....!“ حمید پر تشویش لمحے میں بڑا یاد۔

”میں ہاں..... آپ خود سوچئے بھلا۔“
”کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ کدھر گئے ہوں گے۔“
”اندازہ..... کمال کرتے ہیں جتاب آپ بھی..... یہاں اس کمرے میں بیٹھ کر مجھے کیا
اندازہ ہو سکتا ہے۔“

فریدی کے بارے میں یہ بات آج ہی اس کے علم میں آئی تھی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ
بچھل رات وہ نکلیں خادش اچاک ہوا ہو۔ پتہ نہیں کب سے چکر چل رہا ہو۔ شہر میں ہائی سرکل
ہی تو ایک تفریح گاہ نہیں۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ خان وجہت نے ان دونوں کو پہلی بار اس
حالت میں دیکھا ہو۔

”آہ..... کریل مر حوم..... ہارڈ اسٹون آنجھانی.....!“ اس نے بڑا کر اپنے ہوٹ بھیجنے
لئے۔ چنانیں جب پھر کرلا اوختی ہیں تو پھر انہیں دینا کی کوئی طاقت ان کے مقام تک واپس
نہیں لے جاسکتی۔ سالہا سال کا تجوہ دشائد اپنے معیار کی چیز کا مثالی تھا۔ اب دیکھنے کیا ہوتا ہے
فریدی صاحب..... اور دھیگا میثتی بلسلہ رومان..... خداوند بڑی شان والا ہے تو.....؟“ عتمدوں کے
پہاڑ اپنی جگہ سے اکھر کر دل میں پھنسنے کے لئے پستیوں کی طرف لاکھتے آ رہے ہیں۔

حمدید کو ہوش نہیں کر دیا گراہ سے ہائی سرکل تک کتفی دیر میں پہنچا تھا۔ کپاؤٹ میں موڑ
سائیکل کھڑی کی۔ برآمدے میں آیا۔ لیکن فوری طور پر ہال میں داخل ہونے کی ہمت نہیں
پڑی۔ اس نے سیدھا فجیر کے آفس کی طرف چلا گیا۔ وہ موجود تھا۔ لیکن چہرے پر اضطراب کی
لہریں تھیں۔ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”میں واقعی بالکل گدھا ہوں۔“ وہ حمید کو دیکھتے ہی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

”تم اپنے بھی مجھ سے اس کی تقدیق کر سکتے تھے۔“ حمید نے سمجھی گئی سے کہا۔

”نہیں..... مجھ ہی سے احتق کو زندہ نہ رہنا چاہئے۔“

”تباہ کس طرح مرن پسند کرو گے۔“

”میں مذاق کے موڑ میں نہیں ہوں۔“

”سنجیدگی سے ماروں گا..... تم مطمئن رہو۔“

”میں اپنا سر دیوار سے نکلادیں گا..... سمجھ۔“ وہ روہانی آواز میں چینا۔

”تقول شاعر.....“

اب بندے خال ہیں جس رفتار سے چاہیں عشق کر سکتے ہیں۔ ٹھوک کھانے کا امکان نہیں۔ یقیناً وہ چھ آدمی خان وجاہت ہی کے غنڈے ہوں گے۔ اب چونکہ اناڑی ہیں اس میدان میں لہذا رقب رو سیاہ کا چورہ محبوب کی جلوہ جہاں تاب میں گم ہو گیا ہو گا۔ آندھی اور طوفان کی طرح موڑ سائیکل راستے پر کریں تھی لیکن ابھی تک وہ تینوں گاڑیاں نظر نہیں آئی تھیں۔

پھر وہ نیا گرہ تک جا پہنچا۔ پارکنگ شیڈ میں فریڈی کی لئکن کھڑی دیکھی۔ حمید نے طویل سانس لی اور سوچا چلو یہاں تک تو خیریت سے پہنچ گئے۔ باہمیں بازو کے نیچے بغلی ہولٹر کو تھک دیتا ہوا وہ ڈامنگ ہال میں داخل ہوا۔

یہاں ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ یقیناً ریکریکشن ہال میں ہوں گے۔ اس نے سوچا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ یہاں اس نے کلرک سے کہا کہ وہ صفورا کے کمرے سے فون لکھ کر دے۔

صفورا جاگ رہی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھنی نہ سکی کہ کمال کرنے والا کون ہے۔ لیکن پھر حمید کے وضاحت کرنے پر چینکنے لگی۔

”تم تو چلے گئے تھے۔“

”ہاں! لیکن دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ پتہ نہیں کیوں یہ رات مجھے زندگی سے بھر پور نظر آ رہی ہے۔ کیا تم نیچے نہ آؤ گی۔“

”آ جاؤں۔“

”یقیناً..... میں ڈامنگ ہال میں تمہارا منتظر ہوں۔ پھر بال روم چلیں گے۔“

”او..... کے.....!“ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کتنی ترنم آواز ہے۔ حمید نے سوچا۔ ”دیکھے بغیر چاہا جاسکتا ہے۔“ وہ ایک خالی میز کے قریب بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔

صفورا نے ڈامنگ ہال تک پہنچنے میں در نہیں لگائی۔ ساری نظریں اسی کی طرف اٹھ

32
Scanned by iqbalmt
”اچھا..... اچھا..... میں سمجھا۔ غالباً محترمہ حملکیاں بھی دے لئی ہوں گی۔ یعنی ان کی تھے میں تم نہ رہو۔“

”خدا سمجھے۔“ فیجر نے کہا اور میر اسامہ بنے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ دفترا فون کی گھنٹی بھی اور فیجر نے اس طرح رسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے فون ہی کو اٹھا کر کرچ دنے گا۔

کال رسیور کرتے ہی منہ کچھ اور بگڑ گیا تھا۔ لیکن پھر حمید نے محسوں کیا جیسے بگڑے ہوئے خدو خال آہستہ آہستہ معمول پر آرہے ہوں۔ وہ صرف ”ہوں! ہاں.....!“ کرتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دزدیدہ نظروں سے حمید کی طرف بھی دیکھتا۔ بلا خراس نے رسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور حمید سے بولا۔

”وابس تشریف لارہی ہیں محترمہ..... سنان سڑک پر تعاقب کرنے کی نہت نہیں پڑی۔ فرمایا ہے اگر کیپشن حمید کی کال آئے تو انہیں اطلاع دے دی جائے۔“

”کیسی اطلاع.....!“
”بھی کر لو کی اپنی گاڑی میں ہے۔ اس کے پیچے کریل صاحب اپنی گاڑی میں ہیں اور ان کی گاڑی کے پیچے ایک اشیش و میگن ہے جس میں وہ چھ آدمی ہیں جو یہاں ان دونوں کے آس پاس منڈلاتے رہے تھے۔“

”بہت بہت شکریہ.....!“ حمید دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔
”سنئے تو..... مطلب یہ کہ.....!“

لیکن حمید اب کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی موڑ سائیکل اب پھر نیا گرہ کی طرف جا رہی تھی۔

میاں عشق کرنا تھا تو اپنے عی خادم قدیم سے بھی مشورہ لے لیا ہوتا۔ اس نے سوچا۔ اب یہ کچھ اس قسم کا عشق تو ہے نہیں کہ بے خطر کو دپڑا آتش نزرو میں عشق! کبھی نہ کبھی اسی چوٹ کھانی عی پڑتی ہے تو پھر کیوں نہ ہر وقت اور ہر زمانے میں عشق کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

جاندار لگ رہے تھے۔ نہ رنگت سے متعلق اجس متفہر باقی رہا تھا اور نہ اپنی پسند کے معیار سے گرے ہوئے خدو خال ہی کسی ناخنگوارہ ہی کیفیت کا باعث بنے تھے۔ اسے تو بس ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ کسی نورانی حلقت میں گھرا ہوا خلاء میں پرواز کر رہا ہو۔ صوراً پہلی ہم رقص تھی جس نے اس کی روح کو بھی جھنجورا تھا۔

ایک سیاہ قام اور بد شکل لڑکی نے اس کی روح کو جھنجورا تھا۔

کیا وہ خود کم تحریر ہوا ہوگا۔ پہنچنیں کب تک انہیں احساسات کے تابنے میں الجھا رہتا۔ اگر اچانک فریدی پر نظر نہ پڑی ہوتی۔ وہ اس سے تمہوڑے فاصلے پر تھا اور اس کی ہم رقص وہی عورت تھی جسے ہائی سرکل میں دیکھ کر وہ کچھ درستکتے کے عالم میں رہا تھا۔

وہ سراغھے ایک بیک فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور فریدی کی پلٹنیں تو اس طرح جھلکی ہوئی تھیں جیسے کسی تیر قسم کی شراب کے نشے نے انہیں بو جھل کر دیا ہو۔

”خدایا رحم.....!“ دفعتاً صورا کی آواز سرگوشی کی حدود سے نکل اس کے کافنوں سے نکل رہی اور وہ جو نکل پڑا۔

”کیوں؟ کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔“

حید نے اسے غور ہے دیکھا۔ وہ کچھ سر ایکھہ کی نظر آبنے لگی تھی اور پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ بھی بار بار فریدی اور اس کی ہم رقص کو دیکھے جا رہی ہے۔

”کیا وہ لڑکی تمہیں بھی اچھی لگ رہی ہے.....!“ حید نے اس سے پوچھا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک سوتی رہی ہو۔

”چلو..... یہاں سے چلو اچھے دوست.....!“ وہ کاپتی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیوں.....؟ تمہیں اچانک یہ کیا ہو گیا۔“

”بلیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“

”لیکن میں تو یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔“

Scanned by iqbalmt
گنگیں۔ سفید باؤز اور نارنجی اسکرت میں بہت نمایاں ہو گئی تھی۔

حید نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔

”تم شہر جا کر واپس بھی آگئے۔“

”تمہاری آواز راستے بھر کافنوں میں گنجی رہی تھی۔“

”اوہ..... تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری آواز کا جادو م پر چل گیا ہے۔ اسکی آنکھیں چکنے لگیں۔“

حید نے اپنے بر کو اشتہلی جنمیں دی اور پاسپ میں تمبا کو بھرتا رہا۔ اس وقت اس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

”تم کیا سوچ رہے ہو..... اوہ..... تم تو میری طرف دیکھ بھی نہیں رہے۔ پھر کیوں واپس آگئے..... اپنے ذہن میں میری آواز کی بازگشت محسوس کرتے رہتے۔“

”اوہ..... تم غلط سمجھیں۔“ حید جلدی سے بولا۔ ”اوہ..... بال روم میں چلیں۔ میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ شہر کے کسی گوشے سے کل ہم شروعات کریں۔“

حید نے بال روم کے لئے دو نکٹ خریدے اور ایک بار پھر اسی سیل رنگ و آہنگ میں ڈوب گیا۔ صورا اس کے بازوؤں میں تھی..... اور وہ نہ جانے کیوں زندگی میں پہلی بار خود کو بے حد پر سکون محسوس کر رہا تھا۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ وہ سب اتنے قریب قریب تھے کہ موسيقی کی عدم موجودگی میں وہ ایک دوسرے کی سرگوشیاں بھی صاف سن سکتے۔

ذراعی سی دیر میں حید یہ بھی بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ وہ تو بس اس سیاہ قام لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا جس نے اس کی ایک شرابت آمیز ایکیم کو بھی خلوص سمجھ لیا تھا۔ نغمگی کے سیلاں میں بہہ جانا اور بات تھی۔ لیکن آج سے پہلے وہ کسی نیگر کے قرب کے تصور کو بھی محفوظ نہیں سمجھتا لیکن یہ کیا احساس تھا۔ لتنی طہانیت تھی اس قرب میں۔ وہ اس کی سرگوشیاں سن رہا تھا۔ خود بھی بھرائی ہوئی آواز میں کبھی کبھی کچھ کہہ دیتا اور صورا کے ہونٹوں پر خوابناک ہی مسکراہٹ انگڑائیاں لینے لگتی۔ بھرے بھرے سے ابھرے ہوئے ہونٹ بڑے

جید نے عجیب قسم کا اضطراب محسوس کیا اور اس کی نظریں رقصوں کی بھیڑ میں فریدی کو
ٹلاش کرنے لگتیں۔

وہ ان لوگوں کو شکلوں سے نہیں پچان سکتا تھا جن کا ذکر ہائی سرکل کے فنجر سے سناتا
بھر اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یقیناً فریدی کے آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ آخر وہ لڑکی ہے
کون؟ اور یہ صورا جو ابھی حال ہی میں ہصر سے آئی ہے اُسے پکھاتی ہے۔
ویژہ نے کافی لانے میں درنہیں لگائی تھی۔

کافی کے پہلے ہی گھونٹ نے صورا کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ جید نے اس میں
نمایاں تبدیلی محسوس کی۔

”چچلے بیال میں نے اُسے ٹکا گوئیں دیکھا تھا۔ بریس میں ناہی کیفے میں۔ وہ رات
میرے لئے موت اور زندگی کی نکشم والی رات تھی۔“ صورا نے رک رک کر کہا اور اپنی پیالی
میں دوسرا بار کافی اعلیٰ بن لیتی۔

جید خاموشی سے اُسے دیکھا رہا۔

”میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔“ صورا کچھ دیر بعد بولی۔

”یہ بہت اچھی بات ہے..... زیادہ ذہین عورتیں مغلص نہیں ہوتیں۔“

”اور بہت زیادہ ذہین مرد.....“ صورا نے پھیلی ہی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اب مردوں کے بارے میں اپنی زبان سے کیا کہوں..... ہاں وہ بھی خاصے نہ ہو
ہوتے ہیں۔ اچھا تو پھر کیا ہوا تھا۔ تم کسی بھی ایک رات کا تذکرہ کر رہی تھیں۔“

”ہاں تو میں بریس میں کیفے میں تھی۔ وہ لوگ اپنے گاؤں کو صرف میرے گیت سنوا
چاہتے تھے۔ شکل نہیں دکھانا چاہتے تھے کیونکہ ان دونوں وہاں نسلی کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ میں
ایک جگہ مائیک پر پوشیدگی میں گاریعی تھی کہ کسی طرح ہال میں بیٹھنے ہوئے لوگوں کو پتہ چل گیا
کہ میں ایک نیگریں ہوں۔ بس انہوں نے وہاں توڑ پھوڑ چاہو۔ ہوش کے مالکوں سے مطالبہ
کیا کہ مجھے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ

”تم ٹھہر دو..... لیکن مجھے جانے دو۔“ وہ لجاجت سے بولی۔ ”تم جس وقت بھی چاہو
میرے کمرے میں آسکتے ہو۔“

”میں اکیارہ جاؤں گا۔“

”میں اپنے بیروں میں کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔ زیادہ ذریتک کھڑی نہیں رہ سکتی۔“

”چلو تو..... اور کنارے کھیں بیٹھ جائیں۔“

”ہاں..... یہ ممکن ہے۔“

وہ موسیقی کا ساتھ دیتے ہوئے ہی اس بھیڑ سے نکل کر بائیں بازو والی میزوں تک پہنچ چکے۔

”پتہ نہیں، ہم کس کی میزو پر بیٹھ رہے ہیں۔“ صورا بولی۔

”فکر نہ کرو..... ان کے آتے ہی ہم شرافت سے اٹھ جائیں گے۔“ جید نے کہا اور
اسے غور سے دیکھنے لگا۔ صورا کے چہرے پر اب بھی سر ایمگی کے آثار تھے اور وہ باباز خوفزدہ
نظروں سے رقصوں کی بھیڑ کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

”کیا بات ہے..... تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو۔“

”لک..... کچھ نہیں..... مم..... میں کچھ پینا چاہتی ہوں۔“

”شیری مغلاؤں۔“

”میں بھی تمہاری ہی طرح مسلمان ہوں۔ قلعی نہیں پیتی۔ کافی مغلاؤ۔“

جید نے ایک ویژہ کو اشاعت سے بلا کر آرڈر دیا۔ چند لمحے پھر اسے خاموشی سے دیکھتے
رہنے کے بعد بولا۔ ”کیا وہ لڑکی پریشان کا باعث نہیں ہے۔“

اور اس نے ایک بار پھر اسے چوکتے دیکھا۔

”وہ..... وہ..... رلانے والی ہے..... میں نے اُسے پچان لیا..... رلانے والی..... خدا
کی قسم وہی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔ رلانے والی سے کیا مراد ہے تمہاری۔“

”پہلے مجھے کافی پی لینے دو..... میرا حلخ خلک ہو رہا ہے۔“

نہیں آتا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ بزر جھکائے اپنی ہر قص کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ آہستہ آہستہ کچھ کہتا جا رہا تھا اور ہم رقص کے ہوتوں پر نیشنل سی مسکراہٹ تھی۔ کبھی کبھی وہ بھی کچھ کہتی اور آنکھیں بند کر لئی اور پھر وہی خوابیں سی مسکراہٹ۔

”لغت ہے..... لغت ہے۔“ حید زور زور سے اپنی کھوپڑی سہلانے اور سوچنے لگا۔ آہ..... بے چارہ کرل فریدی..... بہر گیانا آخر اس عموی سیلاں میں..... ہات تیری کی..... ساری سنگھانیت دھری رہ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ ہاتھ منہ پر رکھ کر ”پُر پُر“ کی آوازیں نکالے۔ لیکن اس کی بجائے وہ پاسپ میں تباکو بھرنے لگا۔ غالباً رقص ختم ہونے والا تھا۔ پتہ نہیں کس کی میز پر اس نے قبضہ کر کھا تھا۔ لہذا مناسب بھی تھا کہ ویٹر کو کافی کے زام ادا کر کے وہاں سے اٹھ جاتا۔

بہر حال رقص ختم ہوا تو وہ ریکریشن ہال کے صدر دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے فریدی اور اس کی ہم رقص کو میزوں کی طرف واپس آتے دیکھا۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے یہ سوں پرانے ساتھی ہوں۔ حید کے سینے سے ایک کھٹی کھٹی آہ نکل گئی۔ پتہ نہیں کیوں وہ اتنا بے چین تھا۔

حید کے قریب ہی ایک آدمی اور بھی کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ حید کو ذرا دری میں اس کا احساس ہوا۔ وہ بڑی تیزی سے رقصوں کی بھیڑ کی طرف بڑھا تھا۔ پھر حید نے اسے ٹھیک انہیں دلوں کے قریب رکتے دیکھا۔

ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے لڑکی کا ہاتھ فریدی کے بازو سے نکالتا اور اب اسے اس طرح صدر دروازے کی طرف لرا تھا جیسے جبرا وہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہو۔

دوبارہ فریدی پر نظر گئی۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ ابھی اس لڑکی کو کھینچتا ہوا حید کے قریب ہی سے گزر گیا۔ حید نے اسے لکھیوں سے دیکھتے وقت اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا تھا۔

پھر اس نے فریدی کو ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا اور خود بھی اسی جانب تیزی سے

مجھے قلت کر دیں گے۔ مالکوں نے جو سچے تو سفید فام ہیں سویٹن کے باشندے تھے ان کا مطالہ ماننے سے انکار کر دیا۔ میں اس کمرے میں تھا تھی جہاں سے میں نے گیت گائے تھے۔ اپنی دانست میں تو میں نے دروازہ بند کر لیا تھا لیکن نہ جانے کیسے ایک آدمی کمرے میں گھس آیا۔ میں رُری طرح سہی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دلاسر دینے لگا۔ کہنے لگا کہ وہ مجھے بڑی صفائی سے نکال لے جائے گا۔ تم کافی نہیں پیو گے کیا۔“

”نہیں..... میں خواہش نہیں محسوس کر رہا۔“ حید نے کہا۔ ”اپنی کہانی جاری رکھو۔“ ”کہانی..... ہاں..... چلو اور چلو..... مجھے نیند آ رہی ہے۔ وحشت ہو رہی ہے اس ماحول میں..... اپنے کمرے میں نہادوں کی کہانی۔“

”کسی وجہ سے میں ابھی نہیں امتحنا چاہتا۔“ حید نے پھر رقصوں کی بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”یقین کرو۔ رُری طرح نیند آ رہی ہے۔ پہلے دیکھو میری پلکش۔ بوجھل ہوئی جا رہی ہیں۔“ فاختہ حید نے اس کی آواز میں اجنبیت سی محسوس کی اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ”کیا ہوا ہے تمہیں۔“

”یقین کرو۔ میں سیہیں سو جاؤں گی۔“ ”اچھا تو پھر تم جاؤ۔ میں تھوڑی دیر بعد۔“

”دشکریہ۔ تم بہت اچھے ہو۔“ کل میں تمہارا انتظار کروں گی۔“ ”وہ اٹھ گئی۔ حید اسے جاتے دیکھا رہا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ ادھوری کہانی سن کر وہ اسے الجھن میں ڈال گئی تھی۔

”رلانے والی ہونہے۔!“ وہ منہ میز ہا کر کے بڑا بڑا اور مضطربانہ انداز میں رقصوں کی بھیڑ کا جائزہ لینے لگا۔ برا اسٹر رونگ آر کسٹر سے منشر ہو رہا تھا اور رقص کرنے والے ایسے لگ رہے تھے جیسے وہ نیند میں جھوک لے رہے ہوں۔

فریدی پھر نظر آیا۔ اور حید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسے دیکھتا رہا۔ یقین ہی

”تو کیا حکیم نے نئے میں لکھ دیا ہے کہ کسی دوسرے عی کی مجبوب آپ کی ہم رقص بنے۔“
”میری اپنی تو کوئی ہے نہیں۔“ فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ”اور تھہاری ہم
رقص اس قابل نہیں تھی۔“

حید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ کچھ بولانہیں۔
فریدی نے دیٹر کواشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور اس کے پلے جانے پر حید سے
بولا۔ ”یہ نیگریں کہاں سے ہاتھ لگی ہے۔“

”صرف آپ ہی تقدیر کے اکلوتے نہیں ہیں۔“
”کافی میں شکر زیادہ لیتا۔“ فریدی نے پرتوشیں لجھے میں کہا۔ ”منہ کا مزہ خراب معلوم
ہوتا ہے۔“

”منہ لگنے کی بات ہے..... یہاں تو شکر بھی منہ نہیں لگتی۔“
”بہت چاچا کر بول رہے ہو۔“

”منہ لگائی ڈومنی گائے ہال بے ہال.....!“
”تو کیا ب محوارات اور ضرب المثل ہی میں گفتگو ہوگی۔“

”آپ جیسے عظیم آدمی سے معمولی الفاظ میں کیا گفتگو کی جائے۔“
فریدی اس کے اس کثیلے طرز کو بھی نظر انداز کر گیا۔

دیٹر کافی لانے کے معاملے میں بے حد پھر تیلا ثابت ہوا تھا۔ لہذا بات آگے نہ بڑھ سکی۔
دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ حید نے تھیہ کر لیا تھا کہ وہ فریدی سے اس لڑکی کے بارے
میں کچھ بھی نہ پوچھتے گا۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد پیٹ میں چوہے کو بننے لگے۔ کیونکہ اسے
صغورا کا حیرت انگیز روایہ یاد آ گیا تھا۔

”آپ ابھی اس نیگریں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“ حید نے کہا۔
” غالباً..... پوچھا تھا میں نے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔
”لیکن میں اس کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے آپ سے یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ

قدم بڑھائے۔ فریدی بیٹھ چکا تھا۔ اس نے حید پر اچھتی سی نظر ڈالی اور مشروبات کی فہرست کی
طرف متوجہ ہو گیا۔

”عجیب اتفاق ہے۔“ حید نے بھی کھیچ کر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ ”یہاں
بھی آپ سے ملاقات ہو گئی۔ کہنے تو یہاں بھی میری موجودگی غیر ضروری ہو جائے۔“
پھر اس نے فریدی پر اپنے اس بھتے کارڈ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں کیا
تھا۔ اس کے چہرے سے تو ایسا لگتا تھا جیسے اس نے ابھی ابھی ریکریشن ہال میں قدم رکھا ہو۔
کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہ ایک بڑی خوبصورت لڑکی کا ہر قص رہا ہو گا اور
پھر اس کے بعد ہی اس کے لئے کسی قسم کی شرمندگی کا بھی تسانا کرنا پڑا ہو گا۔
ہمیشہ کی طرح سوچ میں ڈوپی ہوئی آنکھیں..... وہی پر سکون چہرہ..... اور وہی دیکھی
ہوئی پر عظمت کشاورہ پیشانی۔

اب وہ اس طرح حید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے حید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔
”میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ڈھٹائی کی ترتیب کب سے دے رہے ہیں۔“ حید مل
کر بول پڑا۔

”میں اب بھی نہیں سمجھا.....؟“ فریدی کی آواز بھی معمول کے مطابق تھی۔ حید نے اس
میں مودہ کی خرابی کا شانہ بھی نہ پایا۔

بالآخر وہ خود کھسیا کر رہا گیا اور جملائے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”کھیچ کر لے گیا آپ
کھڑے منہ دیکھتے رہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی کے ہوتوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔ ”وہ
حق بجانت تھا کیونکہ حقیقتاً وہ اسی کی مجبوبہ ہے۔“

”اُرے تو یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔“ حید کی جنم جھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔
”کیا بات ہوئی..... ارے بھی اس کی مجبوبہ میری ہم رقص تھی..... اسے یہ بات پسند نہ
آئی کھیچ کر لے گیا۔“

آپ کو ان چھ آدمیوں کا علم ہے یا نہیں جو ہائی سرکل سے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے ہیاں تک آئے تھے۔“

”مجھے علم ہے۔“ تسلیم بھی میں جواب ملا۔

”کیا وہ اب بھی یہاں موجود ہیں۔“

”تم جانو۔۔۔“

”میں نے ان کی شکلیں نہیں دیکھیں۔۔۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ چھ آدمی آپ دونوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔“

حید نے اس بار بھی فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار نہ دیکھے اور نہ اس نے یہی معلوم کرنا چاہا کہ حید کو تعاقب کی اطلاع کس ذریعہ سے مل تھی۔

لیکن جب حید نے کالی لڑکی کی کہانی چھیڑی اور داستان کے اس حصے پر پہنچا جاں وہ ”رلانے والی“ کا تذکرہ کر کے بدھوای کاشکار ہو گئی تو اس نے فریدی کے چہرے پر کسی قدر بے عینی کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہانی کا انعام کم سے کم الفاظ میں لشنا چاہتا ہو۔ لیکن کہانی تو پہلے ہی ادھوری رہ گئی تھی۔

”اٹھو۔۔۔!“ وہ حید کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ”مجھے اس کے کمرے تک لے چلو۔“

”خدا سمجھے آپ سے۔۔۔ اب کیا آپ مجھے کلائیوں سے بھی محروم کر دیتا چاہتے ہیں۔“

”حید بکواس نہیں۔۔۔ جلدی کرو۔“

وہ ریکریشن ہاں سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھے تھے۔ حید اس کی جلد بازی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اور پھر اس نے سوچا ممکن ہے سب فریب نظر ہو۔ زور کی چکلی بھی لی تھی اس نے اپنے بازو میں ”سی“ کر کے رہ گیا تھا۔ مطلب یہ کہ جاگ ہی رہا تھا۔

وہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔

”ڈسٹر ساجد حید

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ لیکن کنجی قفل ہی میں موجود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ نیند کے دباو کی بناء پر اسے قفل کے سوراخ سے نکالنا ہی بھول گئی ہو۔ فریدی نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ لیکن..... کمرہ خالی تھا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ بیڈروم کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا اور یہاں بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔

”یا عسل خانے میں جا سوئی ہے۔“ حید بڑھ دیا۔ اتنی دیر میں فریدی عسل خانہ بھی کھول چکا تھا۔ لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

اب وہ کمرے کی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا۔

”ممکن ہے کچھ دیر کے لئے باہر گئی ہو۔“ حید نے کہا۔

”کنجی قفل ہی میں نہ چھوڑ جاتی۔“ فریدی میز پر جھکا ہوا بولا۔ حید اتنا ہوئی نظر وہ سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

”ہوں۔۔۔ خواہ خواہ کام بڑھا گئی ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد فریدی کو کہتے سن۔ پھر اس نے قریب آ کر کا نند کا ایک گلوارا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ انگریزی میں لکھی ہوئی تحریر تھی۔

”میں ہبہ جلدی میں یہاں سے رخصت ہو رہی ہوں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں تمہارے شہر سے واقف نہیں ہوں۔ تم سے رخصت ہو کر میں اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر گئی تھی۔ وہاں ایک بیکی

یہاں واپس آ کر تمہیں لکھ رہی ہوں۔ بات کچھ ایسی ہی ہے کہ میں اس کے بعد یہاں نہ ہر نہیں سکتی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ مجھے کہاں لے جائے گا۔ چونکہ یہاں سے شہر تک ایک طویل سنان راستہ ہے۔ اس لئے میں نے اسے یہیں بتایا کہ میں یہاں ابھی ہوں۔ شہر پہنچ کر ہی اسے بتاؤں گی کہ مجھے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرتا ہے اور وہ اس سلسلے میں میری مدد کرے۔ کیا پہنچن ہے کہم یعنی ڈرائیور کو علاش کر کے میری رہائش کے بارے میں معلوم کر سکو۔ جو وقت تمہارے ساتھ گذرا ہہترین تھا۔ صفورا۔

”کافی ذہن معلوم ہوتی ہے۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑھ رہا۔

”ہوگی..... خواہ مخواہ اُسے یہ غلطی ہی کیوں کر رہی کہ میں پہنچی ڈرائیور کو علاش کرتا پھر وہ گا۔ لیکن آخر یہاں سے کیوں گئی۔ یہاں کنٹریکٹ پر آئی تھی۔ مقابلے کا کیا ہو گا۔“ فریدی پکھنہ بولا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

کچھ در بعد اس نے کہا۔ ”دیکھنا ہے کہ تمہاری یہ حماقت میرے لئے کس حد تک کار آمد ثابت ہوتی ہے۔“

حید جوک کر اسے دیکھنے لگا۔ لیکن فریدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

”میری حماقت..... کیا مطلب.....!“ ”اس سے پہلے کبھی میں نے تمہارے ساتھ کوئی بد صورت لڑکی نہیں دیکھی۔ یقیناً..... تم میرا محکمہ اڑانا چاہتے تھے۔“

حید کچھ نہ بولا۔ منتظر تھا کہ فریدی کچھ اور کہے گا۔ لیکن وہ پھر میز کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اتنے میں فون کی گھٹتی بیجی۔ حید فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”نہیں۔“

فون کی گھٹتی بیجی رہی اور وہ اس کو اسی حال میں چھوڑ کر کمرے سے باہر آ گئے۔ رابداری سنان نہیں تھی۔ مختلف جگہوں پر کچھ لوگ کھڑے نظر آئے۔ ان میں سے کوئی سگریٹ سلاگارہا تھا کوئی جھکا ہوا جو تے کے اندر پیچر کھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی دیوار سے لگی ہوئی کسی پینٹنگ کا جائزہ لیتا ہوا نظر آیا اور حید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

”کیا ہیں لوگ ہیں۔“ حید نے آہستہ سے پوچھا۔

”ہوں.....!“ فریدی نے سر کو خیف سی جنبش دی اور لفٹ کی طرف جانے کے بجائے زینوں کی جانب چل پڑا۔

زینے بہت اطمینان سے طے کئے گئے۔ لیکن ان کے پیچھے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن یہیں ہی وہ ڈائیکٹ ہال میں پہنچے حید نے ان لوگوں کو پہچان لیا جو کہ کچھ در پہلے اوپر ملے تھے۔

غالباً وہ لفٹ کے ذریعہ سے نیچے پہنچ گئے تھے۔

”اب میں فکر کے مارے پھٹ جاؤں گا۔“ حید نے فریدی سے کہا۔

”تم غالباً آج موڑ سائیکل لے کر نکل تھے۔“ فریدی بولا۔

”شام تھی کہ نکلا ہی تھا۔“

”آسے میں چھوڑو..... میرے ساتھ چلو۔“

”کہیں میں آپ کے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔“ حید نے نکل بھیج میں کہا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”نہیں..... آج شام سے بے حد رواش نہ کر رہا ہے۔“

”ذبھی کڑیے جہاڑ دوں گا۔“

وہ عمارت سے نکل کر پارک گل شیڈ تک آئے۔ فریدی نے حید کیلئے لکن کا دروازہ کھولوا۔

”تشریف رکھئے۔“

”آپ نے مجھے پہچان لیا ہے نا..... میں حید ہوں..... ساحد حید۔“

”چل بیٹھ.....!“ فریدی نے اسے دروازے میں دھکا دیا۔

”کیا بات ہوئی.....؟“
 ”عقل کی باتوں ہی نے مجھے سر کے مل کھڑا کر رکھا ہے۔ بدھو ہوتا تو شادی کرتا اور بچے جتنا.....اوہ.....کیا بک رہا ہوں۔“
 ”نیند آرہی ہے نشے بچے کو۔“
 ”آپ مجھے اتنا احتیٰ کیوں سمجھتے ہے
 ”احمق تو ہو.....لیکن اندازے کی غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی ہے۔“
 ”میں جلد از جلد گھر پہنچانا چاہتا ہوں۔“
 ”بُس اب گھر ہی چلیں گے۔“
 ”جید پھر اونٹکھنے لگا۔“
 دوبارہ اسی وقت چونکا تھا جب گاڑی رکی تھی۔ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ گاڑی اپنی ہی کپاؤ ٹھیڈ میں رکی تھی۔

”اتریے.....نواب صاحب۔“ فریدی کی آواز کان نکر قریب ہی سنائی دی۔
 ”مشکریہ.....!“ وہ دروازہ کھول کر اتر اور فریدی کا انتظار کئے بغیر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ پہنچنیں کیوں گاڑی پورچ نکل نہیں لائی گئی تھی۔
 اپنے سونے کے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بولٹ کیا اور کپڑوں جوتوں سمیت سہری پر ڈھیر ہو گیا اور پھر ذرا ہی کی دیر بعد وہ خڑائے لے رہا تھا۔
 پہنچنیں کیے کیے اوٹ پنگ خواب دیکھا رہا۔ ایک ایسی لڑکی دیکھی جس کا چہرہ آدھا سیاہ تھا اور آدھا سفید۔ چہرہ اس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ چہرے کے دونوں روپ جانے پہنچانے سے تھے۔ پھر ہوتوں میں دفتار سوئی کی چھکہ کر رہ گئی۔ اس نے چھٹا چاہا لیکن آواز نہ لکلا۔ البتہ اس چہرے سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے گھنٹی بچ رہی ہو۔ تیز قدم کی گھنٹی کان کے پردے چھٹے سے محسوس ہونے لگے اور آنکھ کھل گئی۔ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ لیکن گھنٹی تو اب بھی بجے چارہ ہی تھی۔

گاڑی کپاؤ ٹھیڈ سے نکل کر سڑک پر آ گئی تھی۔
 کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی دوسری گاڑی کے ہیڈ لینپ چکتے ہوئے نظر آئے۔

”غالباً وہیں ہیں۔“ حمید بڑا بڑا۔
 ”جہنم میں جائیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔
 ”کیا مطلب....؟“
 ”مطلوب یہ کہ وہ میرے لئے قطعی بے ضرر ہیں۔ اسے ہمیں ان کی قطعی گلرنڈ کرنی چاہئے۔“
 ”اپنے آدمی....!“
 ”نہیں....!“
 ”تو پھر....؟“
 ”کان نہ کھاؤ....!“
 ”اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“
 ”گھر....!“ فریدی نے کہا اور حمید نے سوچا کہ اس وقت اسے واضح قسم کی گفتگو پر آناء نہیں کیا جاسکتا۔
 پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔
 شہر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا فریدی یوئی خواہ تجوہ راستے کو طول دے رہا ہے۔ کبھی ایک گلی سے گذر کر دوسری سڑک پر آ لکھتا اور کبھی دوسری سے تیسری پر۔۔۔

”کیا چکر ہے....؟“ وہ خواب آ لوادا اواز میں بڑا بڑا۔
 ”نہیں باور تو کرادوں کر میں اس تعاقب سے بے خبر نہیں ہوں۔“
 ”مجھے بھی کچھ باور کر ادیجئے۔“
 ”تم کیا باور کرانا چاہتے ہو۔“
 ”ہمیں کہ میں وہیں چھپلی کا انٹا نہیں ہوں۔“

کئی بارہ وہ اُسے اعلیٰ درج کی رومنی ادا کاری کرتے دیکھا تھا۔ اگر وہ اتنا ہی کام بیبا ادا کا بر
ہے تو..... نہیں وہ ادا کاری نہیں تھی۔ حمید کسی طرح بھی اس سلسلے میں اپنے وہن کو مطمئن نہ
کر سکا۔ تھی تو کوئی چیز ایسی جس کی بناء پر وہ اُسے خالص ادا کاری تسلیم کر لیتے نہیں پہنچا رہا تھا۔
”ابے تو تجھے کیا.....؟“ بالآخر اس نے جلا کر اپنے سر پر دھڑک ریس کیا اور خواب گاہ
میں آکر بیان تبدیل کرنے لگا۔

تو وہ سے پول ہوٹل میں ہٹھری ہوئی تھی۔ شاکنڈ فریدی نے پچھلی رات ٹھی سے اُس کی
تلائش شروع کر دی ہو گی۔ لیکن کامبیر معلوم ہو جانے کے بعد یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔
آدھے گھنٹے کے اندر حمید سے پول جا پہنچا۔ یقیناً صفوراً کا وجود فریدی کے لئے اہمیت
اختیار کر چکا تھا ورنہ وہ اس کی طرف دھیان نہیں کیوں دیتا اور اس اہمیت کی وجہ یہی ہو سکتی تھی
کہ وہ اس کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی تھی۔ تو پھر وہ ہم رقص..... جہنم میں جائے۔
حمید نے گردن اکڑا کر سر کو جھکا دیا۔ کرہ نمبر ایک سورتایی اندر سے مغلبل اتھا۔ اس نے
دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کون ہے؟“ آواز صفورا ہی کی تھی۔

”رات کا ساتھی۔“ حمید دروازہ سنتے منہ لگا کر بولا۔

”حید..... ساجد حید.....!“ مزید وضاحت طلب کی گئی۔

”ہاں..... وہی..... دروازہ کھولو.....!“

دروازہ کھلا۔ وہ سامنے ہی کھڑی نظر آئی۔ آنکھوں میں عجیب سی چک تھی اور چہرے کی
رگت میں پہلے سے بھی زیادہ گاڑھا پن آ گیا تھا۔ غالباً یہ دفور سمرت کا انتہا رہا۔

”خدا کی قسم.....!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بوی۔ ”تم ایک مخلص دوست ہو۔ آخر کار
مجھے ڈھونڈھے ہی نکال۔ ورنہ کون ایسی زحمتی مول لیتا ہے۔“

”اچھا..... چیچھے تو ہوئو۔ مجھے اندر آنے دو۔“

”آؤ..... آؤ۔“ اس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اندر ٹھیک لیا۔

”او..... حرام خور.....!“ وہ مکاتاں کر کون کی طرف بھپٹا۔

”ہا لو.....!“ ماڈھ پیس میں دہاڑا تھا۔

”صح کے سماں ہے آٹھ بجے ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اچھا تو پھر.....!“ وہ پہلے ہی کے سے انداز میں دہاڑا۔

”کمرے سے باہر آؤ۔“ تھکمانہ لجھے میں کہا گیا۔

حمد نے ریسیور کریٹل پر سخ دیا اور اب اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔
گھنٹی کی تیز آواز سے جانے پر قابو پانے میں کچھ دریگی اور اس نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس
پر نظر ڈالی۔ واقعی سماں ہے آٹھ بجے رہے تھے لیکن سویا بھی تو تھا تین بجے۔

ٹوغا اور کہاں کرے سے لکھا۔ وہ جاننا تھا کہ فریدی ناشتے کی میز ہی پر ہو گا۔ اُسے اخبار
بینی میں صروف ذکیر کر کر کھکھارا اور اس کے متوجہ ہونے پر بولا۔ ”باتھروم لک جانے کی اجازت
ہے یا پھر میں.....!“

فریدی نے پیشانی پر مل ڈالے اور پھر اخبار پر نظریں جمادیں۔
پھر پندرہ یا بیس منٹ بعد حمید دوبارہ ڈائینگ روم میں داخل ہوا۔ لیکن فریدی اب وہاں
نہیں تھا۔ البتہ وہ اس کے لئے کچھ چھوڑ گیا تھا۔ کاغذ کا ایک لکڑا..... جس کا کچھ حصہ کافی پاٹ
کے نیچے دبا ہوا تھا۔

تحریر تھی۔

”فرزند ارجمند.....!“ اگر تم ہوٹل سے پول کے کمرہ نمبر ایک سورتایی تک پہنچ سکو تو گلی
مرا د کو شگفت پاؤ گے۔ ابھی اور اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔“

”ہوں.....!“ وہ نتنے پھلا کر بولا۔ ”تو پتہ لگایا کہ اس نے کس ہوٹل میں قیام کیا ہے؟“
پھر ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے پاپ سلاگتے ہوئے سوچا۔ آخر پچھلی رات وہ ڈھنی
طور پر اتنا بے مایہ ہو کر کیوں رہ گیا تھا۔ فریدی کو ایک لڑکی کے ساتھ رقص کرتے دیکھ کر یہ کیوں
سبھج بیٹھا تھا کہ وہ اپنی ڈگر سے ہٹ گیا ہے۔ کون جانے کوئی بد اکھیل ہو۔ اس سے پہلے بھی تو

خکل دیکھ کر کیا کرتا۔ اس لڑکی سے مل بیٹھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ فریدی کو چڑایا جائے۔ اس کے رومان کا مٹھکہ اڑایا جائے۔ حالانکہ پہلے ہی اُسے فریدی کے بارے میں سمجھدی سے کوئی فیصلہ نہ کر لیا چاہئے تھا۔ آخراب اچانک ذہن کو جھٹکا لگا ہی۔

اُسے اس اتفاق پر بُھی بھی آرعنی تھی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ جس لڑکی سے وہ خود مکمل ریا تھا فریدی کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی ہی ہوتی۔

اور اب یہ معمول ٹکر لیں جو محض تفریغ کی خاطر دریافت کی گئی تھی اور ٹھیک کے کسی اکتادینے والے مسئلے کی طرح حل میں انک کر برد جائے گی۔ واہ روی قسمت۔ اُسے ایک بار پھر اپنی عصی پر غصہ آنے لگا۔ گویا اُس وقت پچوں کا سازہ ہن ہو گیا تھا۔ جب اُس نے فریدی کی بے راہ روی کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا کہ خواہ خواہ ایک عیاش آدمی کی حیثیت سے اپنی شہیر کرتا پڑھتا۔

”کیوں..... کسی طبیعت ہے۔“ فتحا صفورا بولی اور حید اچھل پڑا۔

”کیا تم بھی ڈر گئے ہو.....!“ وہ بہن کر بولی۔

”م..... میں نہیں تو..... بھلا میں کیوں ڈر دیں گا۔“

”میں تو اب یہ سوچ رہی ہوں کہ چپ چاپ اس شہر سے رخصت ہو جاؤں۔“

”آخر کیوں؟ وہ کون تھی؟ تم اس سے کیوں خالک ہو۔“

”میں کچھل رات تھیں اس کے بارے میں بتاری تھی کہ یہ بیک میرے ذہن پر خوف مسلط ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ جتنی جلد ممکن ہو۔“

”تو کیا وہ بھی تھیں جانتی ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”اجھی طرح..... اس نے مجھے اسی اذیتیں دی ہیں کہ میں ساری زندگی انہیں یاد کر کے لرزتی رہوں گی۔ خلا کو میں کون ہے جو ”رلانے والی“ کو نہ جانتا ہو۔ اس زمانے میں اس کا گروہ کی ریاستوں پر چھایا ہوا تھا۔“

”گروہ.....؟“

50
Scanned by iqbalmt
دروازہ بند کر کے وہ حمید کی طرف مڑی۔

”تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔“ حید نے پوچھا۔

”نہیں کوئی نہیں..... لیکن ڈرامیور نے مجھے ہتھیری ریاستوں سے بچا لیا تھا۔ واقعی تم لوگ بہت اچھے ہو۔ حالانکہ وہ میری زبان نہیں سمجھ سکتا تھا پھر بھی اتنا ذہن تو تھا ہیں تو تھا ہی کہ مجھے یہاں سک لے آیا۔“

”آخر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم کہتیں تو میں ہی تمہیں کسی ایسی جگہ پہنچا دیتا، جو ہماری دامت میں محفوظ ہوتی۔“

”اوہ تو تم کچھ گے ہو کہ میں پنے کی خوف کے تحت ایسا کیا تھا۔“

”تمہارا خط طمع کے بعد اس کے علاوہ کیا سوچتا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ بھی نیا گراہی میں مقیم ہے۔“

”پتہ نہیں۔“ حید نے لاپرواپی سے شانوں کو جبیش دی۔

”تو بیٹھو نا..... کھڑے کیوں ہو۔ یہاں کافی بہت اچھی ملتی ہے۔ شائد خود ہی بلند کرتے ہیں۔“

”ہوں..... اوں.....!“ حید اس طرح کر کی میں ڈھیر ہو گیا جیسے بہت تحکم گیا ہو۔ وہ اُسے چند لمحے پر تشویش نظریوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”کیوں طبیعت کیسی ہے تمہاری۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔“

حقیقاً حید نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کیونکہ وہ اُسے دیکھے بغیر اسکی آواز سننا چاہتا تھا۔ ”ہاں..... آں..... درد ہے سر میں..... اسے بڑے شہر میں کسی لیکنی ڈرامیور کو ڈھونڈنے کا لانا کوئی آسان کام تو نہیں۔“

”اوہ..... تم نے میرے لئے بڑی تکلیف اٹھائی۔ اسپرین لینا پسند کرو گے۔“

”شکریہ..... تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ حید نے بدستور آنکھیں بند کر گئیں۔ آواز ہی تو سنبنا چاہتا تھا۔ پھر

چوتھے دن پھر اس نے میرے ساتھ وہی بر تاؤ کیا۔ اس اب کیا بتاؤں۔ مجھے تو اپنی زندگی کی
امید نہیں رہی تھی۔ جب وہ مجھے چاک سے پیش تھی تو اُسکی آنکھوں میں کچھ ایسی ہی طہانتی
نظر آتی تھی جیسے چلادینے والی گری میں اُس نے کسی بھٹکتے بے شرودب کا پہلا گھونٹ لیا ہو۔“

”پھر تم اس کے پنجے سے کس طرح آزاد ہوئی تھیں۔“
 ”یہ..... میں کبھی یہ بتاؤں گی۔ کسی کو بھی نہیں۔“ اس نے کسی قدر درک رک کر
 کہا اور حمید نے اس کے چہرے پر مجبوبت کے آثار دیکھے۔ لہذا اس نے اسی خاص نکتے پر
 منہ میں گفتگو مناسب نہ سمجھی۔

”کیا اس زمانے میں بھی تمہاری ایسی عی شہرت تھی؟“
 ”شہرت تو نہیں تھی۔ لیکن ایک بار بھی جو میرے گیت میں لیتا ہا پنڈ کرنے لگتا تھا اور
 اس وقت لوگ مجھے رنی کے نام سے جانتے تھے۔“

”تو یہ نام..... میرا یہ مطلب ہے صفورا..... تم نے خود اختیار کیا ہے۔“
 ”ہاں..... یہ میرا پروفائل نام ہے ورنہ گھر والے تو اب بھی رہنی ہی کے نام سے
 کارتے ہیں۔“

”سب تو پھر پروگرام میں تمہارا نام دیکھ کر اس عورت نے تمہاری طرف دھیان ہی نہ دیا ہو گا۔“
”صورت تو باد ہو گی اے۔ کیونکہ اس نے مجھے بڑی اذیت دی ہیں۔ میں سوچتی ہوں۔

آخر یہاں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ ” ہو گا کچھ..... ہمیں اس سے کیا سر و کار میں تو دراصل اتنا وعدہ پورا کرنے آتا ہوں

تمہیں شہر دکھانا ہے۔“

”کی ممکن ہے!“ اُس نے حیدر کی آنکھوں میں دلکھتے ہوئے بوجھا۔

”میرے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔“

”وَهُنَّ طَرَحٌ...؟“

”تم تو اس سے بُری طرح خاکف معلوم ہوتی ہو۔ جسے وہ کوئی خبیث روح ہو۔“

八一七集

”ہاں..... وہ ایک بہت بڑے گروہ کی سربراہی۔“

”مگر وہ کسی قسم کا تھا.....!“

”ویسا ہی جیسے وہاں عام طور پر ہوتے ہیں۔ قیار خانے چلانے والے، مٹیات کی تاجروں تجارت کرنے والے، اور اس عورت نے تو شاکر تجہ خانے بھی قائم کر لئے تھے۔ بڑے بڑے غنڈے کا پتتے تھے اس کے نام سے۔ میں نے شایا ہے کہ اس کے دوسرے اقتدار میں شکاگوکے دوسرے چھوٹے موٹے گروہ ٹوٹ کر انہی کے گروہ میں ضم ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس کی اطاعت قبول نہیں کی تھی انہیں نہ صرف شکاگوکے بلکہ ان ریاستوں نے بھی منہ موز لینا پڑا تھا جہاں جہاں اُن کا اثر تھا۔“

”وہ تم کیسے پھنس گئی تھیں؟“

”وتنی تو تاریخی بچھلی رات کو..... وہ بوڑھا آدمی مجھے کسی طرح بریس بین کیفے سے نکال لے گیا تھا۔ دو دن تک اس نے مجھے ادھر ادھر چھپائے رکھا پھر میں اتنی ”رُلانے والی“ کے سامنے پیش کر دی گئی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے اس رات وہ بھی تھی کیفے میں!“
”نام کیا ہے اس کا.....؟“

”یہ تو مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔ وہ اُسے رلانے والی ہی کہتے تھے۔“
”اچھا تو پھر تم اس کے سامنے پیش کر دی گئیں۔“

”اس نے مجھ پر نظرت انگیز نظریں ڈالیں تھیں اور کہا تھا کہ میں اسے کچھ گا کر سناوں۔
یقین کرو..... تو رات بھر وہیں بیٹھی شراب بیچنی رہی تھی اور میں گاتی رہی تھی۔ اتنی اڑیت پسند
عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔ صبح ہوتے ہوتے اس نے مجھ سے کہا کہ اپنے
سارے کپڑے اندازوں۔ مجھے غصہ آگیا اور میں مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئی۔ لیکن اس کے دو
آدمیوں نے اس کے حکم کی تعییل کی اور پھر جب میں سکری سہنی خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی
تھی اس نے مجھے چڑے کے چاپک سے مارنا شروع کیا۔ میرا پورا جسم لہولہاں ہو کر زرد گیا تھا۔
پھر تین دن تک میری جمار داری ہوتی رہی تھی۔ ابھی چھپلے ہی زخم نہیں مندل ہوئے تھے کہ

اردو فیز ڈاٹ کام

کے ایک ماہر فنیات نے اس کے متعلق بہت کچھ بتایا تھا۔“

”اچھا فرض کرو وہ تمہیں پہچان بھی لئی ہے تو..... کیا تم یہ بھتی ہو کہ وہ یہاں بھی تھا رے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر سکے گی۔“

”سوال تو یہ ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔“

”نوادرات کی تلاش میں آئی ہوگی۔“

”کیا اپنی اصلی حیثیت میں..... کیا تمہاری حکومت ایسے بدنام افراد کو ملک میں داخلے کی اجازت دے دیتی ہے۔ وہ اپنے صحیح نام اور پتہ کے ساتھ تو یہاں ہرگز نہ آئی ہوگی۔ تب پھر وہ کس طرح پسند کرے گی کہ یہاں کوئی اس کی اصلیت جانے والا بھی موجود ہو۔“

حمدی نے تھیسی انداز میں سر کو جبکش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”اچھی بات ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میری دانت میں تمہاری احتیاط حق بجانب ہو گی۔ اب میں دیکھوں گا کہ تمہیں اس شہر کی بیرکش طرح کراں جائے۔ لیکن تم اس کٹریکٹ کے بارے میں کیا کرو گی۔“

”میں نے رات ہی نیا گردہ کے خیبر کوفون کر دیا تھا کہ میں شہر میں ہی ہوں۔ صبح فون کیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے شام میں شام کو وہاں نہ پہنچ سکوں۔“

”اگر وہ تمہاری عیادت کو دوڑا آیا تو.....!“

”دردسر کو آج تک کون دیکھ سکا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں جلد ہی بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔“ حمدی اٹھتا ہوا بولا۔

”اوہ..... تو کیا جا رہے ہو۔“

”ہاں..... آں..... مجھے کچھ کرنا ہے اس سلسلے میں۔“

”کیا کرو گے۔“

”میرا ایک دوست پولیس آفیسر ہے۔ اس نے تھوڑہ کروں گا۔ لیکن میں یہ بھی تو نہیں جانتا کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ نیا گردہ میں تو نہیں ہو سکتا کیونکہ تم وہاں پروگرام میں حصہ لیتی

”یقین جانو میں بھی بھتی ہوں۔“

”ارے بن.....!“ حیدر گردن جھٹک کر بولا۔

”ویسے تم بہت اچھے ہو۔ یقیناً تمہیں موسیقی سے سچا لگا ہے۔ ورنہ تم کیوں میرے لئے اتنی تکلیف برداشت کرتے۔“

”کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ نیو ڈی یونیورسٹی ہے۔“

”جس طرح کہ میں اپنے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ میں رینی ہوں صفوراً ہوں۔“

”ہوں.....!“ حیدر نے پر تھکڑا انداز میں سر کو جبکش دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر

بولا۔ ”قرض کرو..... وہ تمہیں دیکھ پائے اور پہچان لے تو کیا ہو گا۔“

”وہ..... وہ مجھے جان سے مارڈا لے گی جیسا کہ دوسروں کے ساتھ کرتی تھی۔“

”اوہ..... تو کیا دوسروں کے ساتھ بھی۔“

”وہ کچھ کوئی خبیث روح ہے۔ تم یقین نہ کرو۔ لیکن کیونکہ تم اس کا مخصوص چیزہ دیکھ چکے ہو۔ اس کے سب سے متاثر بھی ہوئے ہو۔ کیونکہ تم نے ہی میری توجہ اس کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ازانے والہ پتہ نہیں کیا ہے۔ جس آدمی کے ذریعہ مجھے اس کے پنجے سے رہائی ملی تھی پھر زدہ بھی نہ ہاں نہیں رکھا تھا۔ میکسیکو بھاگ گیا تھا۔ وہ اس کی بوئیاں اڑا دیتی۔ میں نے ایک خوبصورت نوجوان کا انجام اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔ اس نے اس کے کپڑے اتروا دیئے تھے اور چاپک لے کر زپل پڑی تھی۔ اس کے تین گزرے روایا اور تانے کھڑنے تھے۔ نوجوان پٹ رہا تھا۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے جب تک ہوش میں رہا تھا۔ چاپک پڑتے رہے تھے۔ پھر تیرنے دن میں نے سا کہ وہ مر گیا۔ مجھے رہائی دلانے والے نے بتایا تھا کہ وہ درجنوں لاکیوں اور نوجوانوں کو اسی طرح ختم کر چکی ہے۔“

”آخر اکار کا مقصد کیا تھا۔“

”اذیت پسند طبیعت کی تکیں۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مجھے تاہرہ

رہی ہو۔ کبھی نہ کبھی تو اس نے تمہیں ذیکھا ہی ہوتا اور تم بکون سے نہ رکھتیں۔“
”تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اُسے کہاں تلاش کرو گے۔“
”مگر نہ کرو۔۔۔ اپنے کمرے ہی مک محدود رہنا۔“ حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔
میں منٹ بعد دفتر میں فریدی کو پورٹ فے زیارت۔
”وہم ہے اس کا۔“ فریدی اختمام پر مسکرا کر بولا اور پھر سامنے پڑے ہوئے فائیل کی
طرف متوجہ ہو گیا۔
”جی۔۔۔ یعنی کہ۔۔۔؟“
”میں نے بے شمار ہم شکل دیکھے ہیں۔“
”اللہ رحم کرے آپ انکے حال پر۔۔۔!“ حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے
ٹھنڈی سائنس لی اور تیزی سے مڑ کر کرتے سے نکلنے بھاگا۔

”بھلا وہ کیسے۔۔۔؟“
”ایسا میک اپ۔۔۔ صفورا کے لیجے میں حیرت تھی۔
”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہم دونوں ہی کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔“
”کیا تمہیں اس میں دغل ہے۔۔۔؟“
”ماہر ہوں۔۔۔ ماہر۔۔۔!“ حمید اکٹھ کر بولا۔ دراصل میں اٹھ ایکثر ہوں۔ اکثر قلموں
میں بھی میں نے اپنا میک اپ دیا ہے۔“
”سب تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ میں ایک غیر ملکی ہوں۔
اگر پولیس کو علم ہو گیا کہ میک اپ میں ہوں تو مجھ سے ضرور جواب طلب کر لیا جائے گا۔“
”میرا وہ دوست۔۔۔ پولیس آفیسر پھر کب کام آئے گا۔ تم مطمئن رہو۔ ذر نہیں۔ میں اسی
کے مشورے سے ایسا کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اُسے بتایا تھا۔ اُسے بھی تشویش ہو گئی ہے۔“
”تب تو پھر ٹھیک ہے۔ اس طرح گویا میں یہاں کی پولیس کی مدد کروں گی۔“
”بالکل۔۔۔ بالکل۔۔۔!“
”پچھے نہیں کیسی شکل بناو۔ میری۔“
”بناوں گا۔ نہیں۔۔۔ بدلوں گا۔“

اردو فینز ڈاٹ کام

وہ سمجھا تھا شائد فریدی اُسے صفورا کے بارے میں کچھ ہدایات دنے گا۔ لیکن یہاں تو
بات کرنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ پھر آخر اس نے یقینی ڈرائیور کو ڈھونڈنے کی رہت کیوں
گوارا کر لی تھی؟
اگر صفورا جھوٹی تھی تو اس جھوٹ کی ضرورت پر بھی غور کرنا لازم تھا۔ آخر اس نے اس
کے سلسلے میں اتنا بڑا جھوٹ۔۔۔ نہیں یہ ناممکن ہے۔ یہ جھوٹ نہیں، دلکشا۔ لہذا ایسی بات ہو سکتی
ہے کہ پرانی عادت کے مطابق حضرت اُسے اندر ہرے ہی میں رکھنا چاہئے ہیں۔ اچھی بات
ہے جناب آپ بھی دیکھ ہی لیں گے۔ حمید کے ذہن میں وہی قدیم چچکی کلبائی تھی، جو اکثر

کے لئے کہا۔ پھر جب حمید آن دونوں کی طرف مڑا تو صفورا کی آنکھیں حرمت سے پھیلی رہ گئیں۔ کیونکہ اتنی دیر میں حمید پہنچا وہ زیادی میڈ میک اپ استعمال کردار ادا تھا جو ہر وقت ہی جب میں پڑا رہتا تھا۔ یعنی وہ اسپر گگ جو ناک کے تھنوں میں فوری طور پر فٹ کے جاسکتے تھے۔ ناک کی نوک اور پری ہوتی سمیت اور پر اٹھی چلی گئی تھی اور سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے تھے۔

نیا گرہ کا استثنی شیخرا سے پرتوشیش نظروں سے دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔ صفورا نے شاند اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کو پڑھ لیا تھا۔ اس لئے جلدی سے بولنے۔

”یہ مسٹر احمد ہیں..... میر نے پن فرینڈ..... تین سال سے انہیں جانتی ہوں لیکن ملاقات کل ہی ہوئی تھی۔ خط و کتابت کے ذریعے غیر ملکیوں کو دوست بنانا میری ہابی ہے۔“

”دچپ ہابی ہے۔ میں سعید ہوں۔“ اس نے حمید کی طرف ہاتھ پر رحماتے ہوئے کہا۔

حمد مصافیہ کرتے وقت آہستہ سے کچھ بڑا بڑا یا جسے وہ دونوں سن سکے اور پھر چند رکی باقیوں کے بعد کاروباری گفتگو شروع ہو گئی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔ صفورا شیخرا سے کہہ رہی تھی وہ کم از کم تین دن قطعی آرام کرنا چاہتی ہے۔ استثنی شیخرا کہہ رہا تھا کہ وہ صرف خبریت دریافت کرنے آیا ہے۔ اس کی خواہش شیخرا تک پہنچا دے گا اور شیخرا عی اس کا فیصلہ کر سکے گا کہ وہ تین دن آرام کر سکتی ہے یا نہیں۔“

دل منٹ بعد وہ اٹھ کر چلا گیا اور صفورا پھر پہلے ہی کے سے تھیرانہ انداز میں حمید کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تم تو حرمت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔ بھلا اتنی جلدی یہ کیتے ہو۔“

”کون ہے۔“ صفورا بوكھلا کر اٹھتی ہوئی بولی۔

کسی نے باہر سے کچھ کہا اور وہ حمید کی طرف جک کر آہستہ سے بولی۔ ”نیا گرہ کا اور پھر ہاتھ ہٹا ہے چرے سے تو سب معاملہ ٹھیک ٹھاک ہی تھا۔ استثنی شیخرا معلوم ہوتا ہے۔“

”ارے.....!“ وہ اچھل پڑی۔

”کہیں مجھے بھی کوئی خبیث روح نہ سمجھ لیتا۔“

”رنگت بھی بدلتے گے۔“

”میرا باب پہنچیں بدلتے۔“

”پھر.....؟“

”ارے صرف خدو خال بدلوں گا۔“ بس تم اس حیثیت سے پچانی نہ جاسکو گی جس میں اس نے تمہیں دیکھا تھا۔“

”تم اپنی شکل کیوں بدلو گے.....؟“

”ارے تم اتنے بہت سے سوالات کیوں کر رہی ہو۔“

”میں سمجھ گئی۔“ اس نے مضھل سی آواز میں کہا۔ ”تم ایک کالی لڑکی کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتے۔“

”میں تو کلوٹیوں کے ساتھ دن ہونا بھی پسند کروں گا۔“

”تو غصہ کیوں آرہا ہے.....؟“

”ارے باب رے۔“ حمید اردو میں بڑبڑایا۔ ”میرے سر پر سوار ہو جانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”دیکھو..... دیکھو..... اپنی زبان میں سمجھے برا بھلا کہر ہے ہوں تمہیں یقیناً غصہ آرہا ہے۔“

”اب آجائیے گا ورنہ خاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔“ حمید نے انگریزی میں کہا۔

”چھا تو سوچو.....!“ وہ بے بی نے بولی اور حمید یہ سوچنے لگا کہ وہ کچھ بچ بالکن انوکھا پٹھا ہے۔ کیا ضرورت ہے کہ اس حیثیت میں پڑا جائے۔

”دفعتہ کسی نے دروازے پر دھک دی۔“

”کہاں.....؟ کیا ہوا.....؟“ حمید نے کہا اور ناک سہلانے کے بہانے ہاتھ اور پلے گیا۔

حمد بھی اٹھا اور دیوار کی طرف مڑ گیا۔ صفورا نے دروازہ کھول کر آنے والے کو اندر آنے

”قطی..... اور ان کی ٹوہ میں بھی نہ رہنا سمجھے۔“

”بہت بہتر جتاب..... کیا آپ تشریف نہیں لارہے۔“

”ہرگز نہیں..... کیونکہ میری تشریف آوری تمہارے لئے مصیبت میں بن جاتی ہے۔“

”جیسی جتاب کی مرضی..... اور کچھ.....!“

”دبی شکریہ۔“

اس کے بعد اُس نے خود پر کسی فلنجنی کا میک اپ کیا تھا۔ پلاسٹک میک اپ جس سے آنکھوں کے نیچے کا حصہ بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔
”واقعی..... تم ماہر ہو۔“ صفورا نے کہا۔

”اب تم روزی ہو اور میں مسٹر سانگ فی..... میرا نام نہ بھولنا۔ سانگ فی اور تم روزی..... ہم انگلش ہی میں گفتگو کریں گے۔ بس اب تیار ہو جاؤ۔“
پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ہائی سرکل کی طرف روانہ ہو گئے۔

حید سوچ رہا تھا کہ پچھلی شام پیزاری اور اداہی لے کر آئی تھی لیکن اس وقت ذہن کی کیا کیفیت ہوئی چاہئے۔ کیا اب وہ کتوں کی طرح بھوکنا شروع کر دے۔ تمہائی اگر اسی طرح ر斧 ہوتی ہے تو ایسا زندگی کو سات سلام..... بہر حال یہ بلا خود ہی اپنے گھے ذاتی تھی لہذا بھلگان تو ہو گا ہی۔

ہائی سرکل کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے فنجر سے ملاقات ہوئی۔

”جناب عالی..... ابھر تشریف لا لیے..... اس میز پر..... اگر آپ عزت مآب کیپن حید کے مہمان ہیں۔“

”ہاں..... ہاں.....!“ حید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر انہوں نے اس کی بتائی ہوئی میز پر بقدر کر لیا تھا۔

”یہ کس کیپن حید کا حوالہ دے رہا تھا۔ کون تھا.....؟“

”وہ اس کلب کا فنجر ہے۔“ حید نے جھنجلا کر کہا۔ ”اس نے اسی پلیس آفیسر کا حوالہ دیا۔“

”خدا کی قسم مجھے جرت ہے۔ بھلا اس طرح اوپر کا ہونٹ ناک سیست کیسے اٹھ سکتا ہے۔“

”تم کوش مت کرنا۔ تمہارا ہونٹ پہلے پی کافی اٹھا ہوا ہے۔ ناک غائب ہو جائے گی۔“

”غمیں مجھے بتاؤ۔ یہ تم نے کیسے کر لیا تھا۔“

”جب تم ہماں سے واپس جانے لگو گی سب کچھ بتا دوں گا۔“

”میں الجھن میں رہوں گی۔“

”اس طرح کم از کم مجھے یاد تو رکھو گی۔“

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یاد رکھوں۔“

”ہاں.....!“ حید پھر جھلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج اس قسم کے رومنٹک جملے اس کی زبان سے کیوں نکل رہے ہیں۔

”آج تمہارا مراج کس قسم کا ہے۔ میں بھج ہی نہ سکی ابھی تک۔“

”نہ سمجھتا تھی بہتر ہے۔ پھرے سال ایک لڑکی نے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لہذا آج کل وہ کچھ دری تک تو بھوکتی رہتی ہے اور پھر کاشنے بھی دوڑتی ہے۔“

”وہ اس طرح منہ کھولے اسے دیکھتی رہی جیسے بات سمجھ ہی میں نہ آئی ہو۔“

اس دن حید پھر فریدی سے نہیں ملا تھا۔ شام ہونے کا منتظر رہا۔ میک اپ میں صفورا کی شکل بالکل ہی بدل کر رہا گئی تھی۔

شام کو اس نے بھیت کیٹھن حید ہائی سرکل کے فنجر کو فون کیا۔

”دیکھو دوست! میرا ایک معزز فلنجنی دوست ایک افریقی لوکی کے ساتھ آئے گا۔ اتنا ہی اٹھوڑکشن کافی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی فلنجنی کو بیچان نہ سکنے کا عذر کر سکو لیں کسی ہیاہ فام تک گر لیں کو تو لاکھوں میں شناخت کر سکو گے۔“

”کیا مجھے ان کے ساتھ کسی خاص قسم کا بہتر کرنا ہے۔“ فنجر نے پوچھا۔

”نہیں..... بس تم ان سے یہ نہ پوچھو گے کہ وہ کس باقاعدہ مجرم بر کے ساتھ آئے ہیں۔“

”کیا یہ سرکاری حکم ہے۔“

”کیا تم نہیں پیو گے؟“
 ”جب تک مجبور اپنے پا اٹھا پتا رہا تھا اس کے بعد سے تو پھر اس سے شوق نہیں کیا۔“
 ”چیز ہے روزانہ ایک گلاں ضرور پیا کرو۔“
 حمید نے اسامنہ بنا کر رہ گیا۔ کچھ بولانا نہیں۔
 ملک فیک آیا۔ وہ ٹینی رعنی اور حمید سوچتا رہا کہ وہ حق مجھ چھڑ ہے۔ جس کیلئے یہ سارا
 کھڑاگ کیا اسے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔ حدیہ ہے کہ اس عورت کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔
 اُس نے طویل سانس لی اور صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ غالباً چھٹی حس عی تھی
 دیا اور سوچا اے پاک پروردگار جو عذاب خود عی اپنے اوپر بنازل کیا جائے اس کے لئے کس
 سے فریاد کی جائے اور کس منہ سے کی جائے۔
 ”میں ملک فیک پیوں گی۔“
 ”دہنی کی مغلاؤں۔“ حمید نے جل کر پوچھا۔
 ”یہ کیا چیز ہے۔“
 ”یہاں کا خاص مشروب ہے جسے پی کر آدمی خود کو چھڈ گھومنے کرنے لگتا ہے۔“
 ”عفکد... کیا چیز ہے۔“
 ”عفکد نہیں... چھڈ...!“ حمید نے جلا کر صحیح کی۔
 ”چلو وہی سکی... کیا چیز ہے۔“
 ”میں چھڈ ہوں۔“
 ”ہونگا... مجھے کیا... تم پہ نہیں کیوں غصے میں بھر گئے ہو۔“

”تم جس کی ہم مدد کر رہے تھے اور کیا پوچھنا ہے۔ سب کچھ ایک ساتھ پوچھ لو۔“
 ”تم خفا کیوں ہو رہے ہو۔“
 ”کچھ نہیں..... سب ٹھیک ہے۔“
 ”تم نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔“
 ”دل کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ حمید بے بُی سے کراہا۔
 ”پتہ نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا کہہ رہے ہو؟“
 ”بلیں تم بولے جاؤ۔ مجھ سے جواب نہ طلب کرو۔“ حمید نے آنکھیں کھولے بغیر جواب
 دیا اور سوچا اے پاک پروردگار جو عذاب خود عی اپنے اوپر بنازل کیا جائے اس کے لئے کس
 سے فریاد کی جائے اور کس منہ سے کی جائے۔
 ”میں ملک فیک پیوں گی۔“
 ”دہنی کی مغلاؤں۔“ حمید نے جل کر پوچھا۔
 ”یہ کیا چیز ہے۔“
 ”یہاں کا خاص مشروب ہے جسے پی کر آدمی خود کو چھڈ گھومنے کرنے لگتا ہے۔“
 ”عفکد... کیا چیز ہے۔“
 ”عفکد نہیں... چھڈ...!“ حمید نے جلا کر صحیح کی۔
 ”چلو وہی سکی... کیا چیز ہے۔“
 ”میں چھڈ ہوں۔“
 ”ہونگا... مجھے کیا... تم پہ نہیں کیوں غصے میں بھر گئے ہو۔“
 حمید نے اپنا دماغ ٹھہڑا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر اس بے چاری کا کیا
 قصور... خواہ جواہ جلا ہٹ کا مظاہرہ کیوں کیا جائے۔ وہ خود عی تو اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ تو
 نہیں آئی تھی اس کے پاس۔
 اس نے دیڑ کو بلا کر صرف ایک گلاں ملک فیک کے لئے کہا۔

”سماں کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ وہ خبیث اسے دلکھ کر مسرو نظر آنے لگی ہے۔ لیکن اس کے ساتھی کی آنکھوں میں کینہ اور غفرت ہے۔“

”ارے تو پھر میں کیا کروں۔“ حمید روانی آواز میں بولا۔ ”کوئی میں نے ٹھیک لیا ہے سارے زمانے کا۔“

”ارے..... اب تم اپنا مودہ ٹھیک کر لو، ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔“
حمدی نے طویل سانس لی اور خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ لہذا پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب فریدی اور خان وجہت بر اور راست ایک دوسرے کو گھوڑا ہے تھے۔ حمید نے محسوس کیا کہ عورت خان وجہت اسی کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بار بار وہ اس سے کچھ کہتی لیکن وہ صرف سر ہلا کر رہ جاتا۔ لیکن آنکھیں بدستور فریدی کے چہرے ہی پر جمی ہوئی تھیں۔

ند جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دو بچوں کے درمیان پلکش نہ چھپانے کا مقابلہ شروع ہو گیا ہو۔

”چلو یہاں سے.....!“ صفوراً حمید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر میضطربانہ انداز میں بولی۔ ”یہ دونوں ہی خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں یقیناً جھگڑا ہو گا۔“

”خاموش بیٹھی رہو۔“
”میں کہتی ہوں۔“

”چپ رہو..... جب ان دونوں کے درمیان جھگڑا شروع ہو گا، میں اسے باسانی اٹھا لے جاؤں گا۔“

”میں کوئی!“

”اُسی عورت کو..... من پر ہاتھ رکھوں گا اور کاندھ پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔“
”ارے..... اتم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔“

”حق لڑکی..... تم اس لے جا بگ لگادی..... انھم لوگی اپنا یانہیں۔“

”نہیں..... نہیں..... میں کسی زحمت میں نہیں پڑنا چاہتی۔“ صفورا کی آواز خوف کے مارے کاپ رعنی تھی۔

اب حمید ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ خان و جاہت اُس عورت سے گفتگو کر رہا ہے۔
لیکن فریدی اب بھی اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”یہ آدمی کون ہو سکتا ہے۔“ صفورا پھر بڑھا اپنی۔

”کس آدمی کی بات کر رعنی ہو۔“

”وہی جو تھا ہے اپنی میر پر۔“

”میں نہیں جانتا۔“ حمید نے لاپرواں سے شانوں کو جبش دی۔ ”تم آج خراب اُس کے پیچے کیوں پڑ گئی ہو۔“

”اس کی آنکھیں عجیب ہیں..... ایسا لگتا ہے جیسے اُسے کسی بات کی پرواہ ملی ہے۔“

”ہوں.....!“ حمید غرایا۔

”کیوں؟ کیا بات ہے۔“

”میں اپنے پاس بیٹھنے والی لڑکی سے کسی دوسرے کی آنکھوں کے بارے میں کچھ سننا پسند نہیں کرتا۔ کیا تمیری آنکھیں عجیب نہیں ہیں۔“

”ارے واہ..... یہ کیسی باتیں شروع کر دیں تم نے..... میں تو یہ کہہ رعنی تھی..... کچھ اس قسم کی آنکھیں ہیں جنہیں خوفناک بھی کہا جاسکتا ہے۔“

”خوفناک پوہ..... اس کی آنکھیں تو اسکی ہیں جیسے ابھی ابھی بیہی بیٹھے بیٹھے سو جائے گا۔“

”خدا کی پناہ..... کیا تم ایسکی آنکھوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں نے زوالینڈ کے ایک ظالم و جابر بادشاہ ”چاکا“ کی تصویر دیکھی تھی۔ ایسی ہی آنکھیں تھیں۔ بالکل ایسی ہی آنکھیں..... آنکھوں کی یہ یقینیت خون کی پیاس کا پتہ دیتی ہیں۔“

”لیکن یہاں تو وہ تمہاری ہی طرح ملک شیک پیتا نظر آئے گا۔“

”اوہ..... دیکھو..... وہ شاید اٹھ رہا ہے۔“ صفورا مضطربانہ انداز میں یولی۔

حمدی نے دیکھا۔ فریدی بچ بچ اٹھ گیا تھا۔ حمید نے اُسے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ عورت کے چہرے پر کسی قدر اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔

عورت اور خان و جاہت وہیں بیٹھنے رہے۔ فریدی صدر دروازے سے گذر کر باہر جا چکا تھا۔

”میں کہتی ہوں..... اب تم بھی چلو یہاں سے۔“ صفورا بولی۔ ”ہم آخراں کی قیام گاہ کا پہنچا کر کریں ہی گے کیا۔“

”میں نے آج بہت منت کی ہے۔ بہت وقت بر باد کیا ہے۔ لہذا سچھہ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔“

”چھوڑو بھی۔ تم نے مجھے شہر کی سیر کرانے کو کہا تھا۔“

”میری بات بھخت کی کوشش کرو۔ تمہارے ہی مشورے سے میں نے اس کا تذکرہ اپنے اُس دوست پولیس آفیسر سے کیا تھا۔ لہذا اس وقت میں اسی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو اپنے ہوٹل واپس جا سکتی ہو۔“

”تم نے یہ خطرہ میری وجہ سے مول لیا ہے۔ لہذا میں ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔“

”تمہاری مرغی..... اچھا میں دس منٹ میں آیا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”کہاں چلے..... کیا میں تھا بیٹھوں گی۔“

”صرف دس منٹ..... ایک ضروری کام۔“

پھر وہ اُس کی بات سننے کے لئے وہاں رکنہیں تھا۔ باہر آیا کپاٹوٹ کے باہر سڑک کے کنارے تھوڑے فاصلے پر ایک پیلی فون بو تھا۔ یہاں سے ہائی سرکل سے نیبر کے نمبر ڈائل کئے فوراً اسی جواب ملا۔

”میں حمید یوں رہا ہوں ڈیر۔“ اس نے ماٹھ پیس میں کہا۔

”اوہ..... آداب بجا لانا ہوں جتاب۔ آپ کے مہمان بہت خوش ہیں۔ کہتے اور کوئی

کہا۔

”پتے نہیں تم کیا کرنا چاہتے ہو۔“ وہ پر تشویش انداز میں بڑھ رہا۔

پھر یہ دونوں بھی باہر آئے تھے اور پارکنگ شیڈ سے ان کی گاڑی نکل ہی رہی تھی کہ حمید

نے شیخر کی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے صفورا سے بیٹھنے کو کہا۔

”ارے..... ارے..... ہم تو غالباً یہی میں آئے تھے۔“ صفورا بوكھلا کر بولی۔

”پولیس آفیسر نے اپنی گاڑی ہمارے لئے بھجوادی ہے۔“ حمید نے انہیں اشارت کرتے

ہوئے کہا۔

اب وہ خان وجاہت کی گاڑی کا تعاقب کر رہا تھا۔

”وہ دونوں..... کیا ہم ان کا بیچھا کر رہے ہیں۔“ صفورا ہاتھی ہوئی بولی۔

”تم اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے.....!“ حمید غریباً۔

”ارے..... ارے.....!“

لیکن حمید نے ”ارے..... ارے.....“ کا کوئی جواب نہ دیا۔ کان کھاری ہی اتنی دیر

سے۔ اب خاموش ہی رہتی تو اچھا تھا۔

پتے نہیں وہ خائف تھی یا بوریت محسوس کرنے لگی تھی کہ مجھ پھر وہ بولی ہی نہیں۔ وہ شہر

عی کی سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

”مجھے تو اب نیند آ رہی ہے.....!“ صفورا منتنا۔

”چھلی رات بھی تمہیں نیند آ رہی تھی جس کی بناء پر آج میں اس حال کو پہنچ گیا۔..... اب

اس وقت کی نیند شاہد کل مجھے موگ پھلیاں بیچنے پر مجبور کر دے۔“

”مجھے میرے ہوٹل بچھا دو۔“

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا ایک زور دار دھا کر، وہ اور اگلی گاڑی کی ڈکے دھوان اگلنے لگی۔

آس پاس کئی چیزوں بھی ابھری تھیں۔ پھر افریقی تھیج گئی۔ حمید کے اوسان بحال

تھے۔ وہ اپنی گاڑی آگے نکالے لیتا چلا گیا۔

خدمت میرے لائق۔ کچھ دیر پہلے جناب کریل صاحب بھی تشریف فرماتھے۔ اب تشریف سے
گئے۔ خان وجاہت اور وہ مختصر مہیں بھی یہاں موجود ہیں۔“

”مجھے ان سے کوئی بچپن نہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”تمہیں تھوڑی تکلف اور دوں گا۔
تمہاری گاڑی غالباً پارکنگ شیڈ میں موجود ہے؟“

”موجود ہے عالی جناب۔“

”اُس کی کنجی اگیشن میں موجود ملنی چاہئے۔ شاید میرے مہمان اُسے کچھ دیر کے لئے
استعمال کریں۔“

”مم..... مگر جناب.....!“

”فلرنہ کرو..... ذمہ داری میری ہے۔ اگر کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوئی تو مرمت کرائے بغیر
تمہیں واپس نہ کی جائے گی۔“

”بہت بہتر جناب۔“ مردہ آواز میں کہا گیا۔ ”کیا کنجی مہمان کی خدمت میں پیش کردی جائے۔“

”نہیں اسے اگیشن میں لگا کر چھوڑ دو۔ بس شکر یہ۔“

حمدید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر کمپاڈ پٹک ہیٹھنے میں کم از کم اتنی دیر لگائی کہ اس کے اندازے کے مطابق اس وقت
میں کار سے متعلق ہدایات پر عمل کیا جا چکا ہو۔

ڈائیگ ہال میں واپسی پر اس نے دونوں کو وہیں پایا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے
کشیدہ نظر آ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے عورت کو اٹھتے دیکھا۔ خان وجاہت اس سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ
انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے وہاں سے جانا چاہتی ہو اور خان وجاہت
رسکے کے لئے کہہ رہا ہو۔

پھر وہ بھی اٹھ گیا۔

”جب وہ صدر دروازے سے گذرا جائیں تو ہم بھی اٹھ جائیں گے۔“ حمید نے صفورا

سے گھوڑتے رہے تھے۔ پھر فریدی وہاں سے چلا گیا۔ وجہت اور وہ عورت باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے اور حمید نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ پھر دھماکہ..... اور وہ اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا تھا۔ کب تھا یہ سب کچھ؟ فریدی؟ کیا یہ کچھی رات والی توین کا انتقام تھا۔ حمید سوچتا رہا اور پھر وہ دیٹر کی آمد پر چونکا تھا۔ میتو سے کچھ یونہی اوت پٹاگ کی چیزیں منجھ کیں اور آرڈر دے دیا۔

”میں پوچھتی ہوں..... تم رکے کیوں نہیں تھے۔“ صفورا کچھ دیر بعد کانپتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

”میں نے تمہاری عقل پر تو میک اپ کیا نہیں تھا پھر اتنی احقدانہ باقیں کیوں کر رہی ہو۔ ہم دونوں غیر ملکی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس میک اپ میں اگر ہم رکتے تو یقین طور پر پولیس ہمیں بطور گواہ استعمال کرنے کی کوشش کرتی۔“

”لیکن تمہارا وہ دوست پولیس آفیسر.....!“

”یہ کارروائی خی طور پر تھی۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اب میں خی طور پر اسے اس حداثے سے مطلع کر دوں گا۔“

”ہاں..... یہ تو درست ہے۔ ہم دشواری میں پڑ جاتے۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی اور حمید برا سامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

صفورا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”تو تم مجھ سے کیوں فنا ہو گئے ہو۔“

”خفا نہیں ہو گیا..... بھوکا ہوں..... اور بھوک کی حالت میں پڑ نہیں کیسی کیسی ہستیوں کو چاہیا ہوں۔ پھر میں یہ نہیں دیکھتا کہ گوشت کی رنگت کیسی ہے؟“

”میں بڑی دیر سے تمہاری باقوں میں درندگی محسوس کر رہی ہوں۔“

”بل اب خاموش رہو۔ کھانے کے بعد مزید گفتگو ہو گی۔ ہر موضوع پر بے تکان بول سکوں گا۔“

وہ اُسے عجیب نظرؤں سے دیکھتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ پھر کھانا آگیا تھا۔ کھانے کے بعد

بوکھلا ہےٹ

”اے..... اے..... روکو..... روکو..... دیکھو کیا ہوا۔“ صفورا ہمیانی انداز میں بولی۔

”خاموش بیٹھی رہو۔“

”یعنی..... یعنی.....!“

”شش اپ.....!“

صفورا نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف ہونٹ مل کر رہ گئے۔ حمید گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر کرتا رہا اور پھر وہ آرچجو کے سامنے رک گئی۔

”نیچے اترو.....!“ حمید نے کہا۔

”یہ کہاں لائے ہو۔“ صفورا نے خوفزدہ لمحے میں کہا۔

”بھوکا ہوں..... تمہیں کھاؤں گا۔“

”مجھے ڈراؤ نہیں۔“

”میں کوئی خبیث روح نہیں..... یہ میرا پسندیدہ ہوئی ہے، یہاں کھانا کھائیں گے۔ چلو اترو..... بھوک چک اٹھی ہے۔“

وہ سہی ہوئی سی گاڑی سے اُتری اور حمید کے ساتھ چلے گئی۔

آرچجو کا ڈائنسنگ ہاں خاصا آباد تھا۔ لیکن حمید کو اتنا ہوٹس کہاں تھا کہ وہ اس پر دھیان دیتا۔ وہ تو بہت سی جذباتی انداز میں اُس دھماکہ کے متعلق سوچے جا رہا تھا۔ دھا کر خان

وجہت کی گاڑی کی ڈکے میں ہوا تھا اور گاڑی ہائی سرکل کلب کے پار کلگ شیڈ میں کھڑی رہی تھی۔ فریدی اور خان وجاہت ہائی سرکل کے ڈائنسنگ ہاں میں ایک دوسرے کو خونخوار نظرؤں

کافی کا دور چلا لیکن مغورا خاموش ہی رہی اور حمید تو اب اس سلسلے میں کسی قسم کی گھنگو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

فریدی کی شکل دیکھتے ہی ایسا بُر امنہ بیٹا جیسے خود کشی کر لینے کی حد تکت بور ہو گیا ہوت۔

”شعر و خن کا ذوق رکھتے ہو تو آدمیوں میں بیٹھا کرو۔ ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے۔“

”انہیں کے ساتھ میری بھی پردوش ہوئی ہے۔“ حمید نے زہریلے لمحے میں کہا۔

”اوہ.....!“ فریدی اُسے کھنچ کر لپٹانا ہوا بولا۔ ”بے بی روہا نہ ہو رہا ہے۔“

”.....آڈ فیڈ تیار ہے۔“

”چھوڑ دیجئے مجھے.....!“ حمید مچا۔

”چلو سیدھی طرح.... ورنہ....!“ فریدی اسکی گردن پکڑ کر پورچ کی طرف گھماتا ہوا بولا۔

حمدید بادل ناخواست چلنے کی ایکنگ کرتا ہوا ساتھ دیتا رہا۔ وہ برآمدے میں آبیٹھے۔

حمدید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

”وہ خوبصورت ہے حمید۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

”میں فی الحال اُس کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ خاتون اس سے بھی زیادہ خوبصورت رہی ہوں۔ لہذا مجھے بورنہ کیجئے۔“

”بکواس بند کرو۔ میں اس سے پہلے کئی بار تمہاری رواداد عشق سن چکا ہوں۔ میں تو بور نہیں ہوا تھا۔“

”تو گویا یہ کچھ ہے.....!“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

لیکن فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر گار سلاگانے لگا۔ حمید ایک پل کے لئے رک کر پھر بولنے لگا تھا۔ ”یا تو اتنا اجتناب..... یا پھر ساری منزلیں ایک ساتھ طے کر دیں۔ یعنی نہ صرف عشق بلکہ رتابت بھی۔ خدا کی پناہ..... بڑی شان والا ہے تو پاک پروردگار چاہے تو گھوڑے کو بھی لا اٹھنی بولنے پر مجبور کر دے۔“

فریدی نے طویل سانس لی اور مسکرا کر حمید کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”آپ نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔“ مید خنک لمحے میں بولا۔

”بھلا وہ کیسے فرزند.....؟“

”بہر حال ہم شہر نہ دیکھ سکے۔“ مغوراً رواگی کے لئے احتی ہوئی بولی تھی۔

”دیکھ لیں گے شہر بھی۔“

”آخڑتھا راموڑ کیوں خراب ہو گیا ہے۔ شام تک تو اچھے خاصے تھے۔“

”ذماب بھی ٹھیک ہوں بابا..... کافی نہ کھاؤ۔“

اور پھر وہ اُسے مے پول کے قریب چھوڑ کر ہائی سرکل واپس آ گیا تھا۔ یہاں پارک لگ شہر میں غیر کی گاڑتی چھوڑی تھی اور واپسی کیلئے مڑھی رہا تھا کہ غیر سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔

”گاڑتی نے کوئی تکلیف تو نہیں دی جتاب عالی۔“

”نہیں.....!“ حمید نے بھراں ہوئی آواز میں کہا اور گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اب وہ سیدھا گھر جانا چاہتا تھا۔ اتفاقاً تیکسی بھی جلد ہی مل گئی ورنہ آس پاس تیکسی کے لئے پچھے دیر بھکٹا ہی پڑتا تھا۔

فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ حمید نے سوچا ظاہر ہے گھر پر موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اقسام لینے کا یہ طریقہ اُسے پسند نہیں آیا تھا۔ ارے کہیں لکا کر کر مارا ہوتا۔ لیکن وہ عورت..... رلانے والی۔

جہنم میں جائے..... اس نے سوچا۔ پھر کیا کیا جائے۔ اگر اسے علم ہوتا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے تو بارہ ایک بجے سے پہلے گھر واپس نہ آتا۔ مغوراً کوے پول میں چھوڑ کر کہیں بھی جا سکتا تھا۔

اکتاہت اور جھلاہت میں بچتا ہو کر اُس نے خاہ مخواہ فون پر ادٹ پٹاگ کالیں کرنی شروع کیں۔ کبھی کسی جزل مرچنٹ سے ریز ربلیڈ کے دام پوچھتا، کبھی کسی سینما ہاؤز کے غیر سے پوچھتا کہ وہ تین ماہ بعد کون کون سی فلم اکریبت کرے گا۔

پھر یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ کسی نے حمید کے کانوں سے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کرمڑا اور

”تو یہ اطلاع آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔“

”اگر وہ نام برم تھا تو گاڑی کے پرچے اڑ جانے چاہئے تھے۔ تم کہتے ہو کہ ڈکے سے صرف دھوں نکلتا ہوا دیکھا تھا تم نے..... حدید ہے کہ ڈکے کللاں نہیں، کم از کم اسے ہی قبضوں سے اکٹھ جانا چاہئے تھا۔ غالباً اس دھوئیں کی نمائش کے لئے وہ پہلے ہی پوری طرح بند نہ کیا گیا ہو گا۔“

”آپ کہنا کیا چاہئے ہیں۔“

”آج کل میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں۔“ فریدی نے چنانے کے سے انداز میں کہا۔
”مجھے بھی وہیں بلوال بیجھے.....!“ حمید ملتیجانہ بولا۔

”نہیں..... تم نہیں..... یہ معاملہ تمہارے معیار سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔“

”اوہ..... لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے وہ بلا خصی آپ کی وجہ سے گلے لگائی ہے۔ آج شام اُس نے پورے یقین کے ساتھ اپنے پچھلے بیان کی تائید کی تھی۔ وہ وہی ہے جو شکا گومیں رلانے والی کہلاتی ہے۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اُسے گھوڑا رہا۔ فریدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ دفتراً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ کل صبح دس بجے تک میں تمہیں بتا سکوں گا کہ تمہاری نئی دوست کا بیان صحیح ہے یا غلط.....!“

”بھلا وہ کس طرح۔“

”حمدید یا تم کافی کے لئے کہہ سکو گے۔“

”آپ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں ہائی سرکل میں نہیں۔“

فریدی خود ہی اٹھا اور کچن کی طرف چلا گیا۔

حمدید ایک بار پھر ڈانوا ڈول ہو رہا تھا۔ یہ عشق اور رقابت کا چکر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہارڈ اسٹون بدستور بخوبی ہے۔ پھر کیا قصد ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر دفعتاً چوک پڑا۔ تیز قسم کی روشنی پر پڑی تھی۔

کسی کی گاڑی پھاٹک میں داخل ہو رہی تھی۔ کون ہو سکتا ہے اس وقت۔ قاسم کی طرف

”وہ شخص جو کل تک قانون کا محاذ تھا آج ایک عورت کے لئے قانون نہیں بن بیٹھا۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“

”آپ نے جوش انتقام میں یہ بھی نہ سوچا کہ آپ کی منظور نظر بھی اسی گاڑی میں ہو گی۔“

”کیا ابک رہے ہو۔ صاف صاف کہو۔“

”آپ نے اُن کی گاڑی کے ڈکے میں غالباً نام برم رکھو دیا تھا۔“

”تو پھر.....؟“

”دھا کر ہوا تھا..... لیکن میں اُن کا انجام دیکھنے کے لئے رکا نہیں تھا۔“

”تم تعاقب کر رہے ہے تھے؟“

”جی ہاں..... اور میں نے ہائی سرکل میں آپ دونوں کو خونخوار قسم کے موڑ میں بھی دیکھا تھا اور پھر آپ چب چاپ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ گویا آپ خان و جاہت کو جتنا چاہئے تھے کہ اب اس کی خیر نہیں..... میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ ارے مارنا ہی تھا تو لکار کو مارا ہوتا۔ پچھلی رات بہترین موقع تھا جب اُس نے اس کا بازو آپ کے بازو سے زبردستی کیجھ لیا تھا۔ کل تو کھڑے ہندہ دیکھتے رہے تھے۔“

”یہ دھا کر کس جگہ ہوا تھا حمید صاحب۔“

”زیر و روز اور ایگل روڈ کے چوراہے کے قریب.....!“

”ہوں..... اچھا.....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا اور مزید کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا۔

حمدید وہیں بیٹھا سوئنک چیزیں میں جھوٹا رہا۔ ذہن پر ناخوٹگواری کیفیت طاری تھی۔

ٹھوڑی دری بعد فریدی پھر واپس آگیا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر طنزی مسکراہٹ تھی۔

حمدید نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا لیکن کچھ بولانہیں۔

”ہاں ایک دھا کر سا ضرور گیا تھا اور گاڑی کی ڈکے سے دھوں بھی نکلتا دیکھا گیا تھا۔ وہ گاڑی رکی بھی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی زیر و روز اور مزگی تھی۔ پولیس کو اس گاڑی کی علاش ہے۔ بنبر بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔“

خیال آگیا۔ ممکن ہے دماغ میں سمجھی اچھی ہو۔

بہر حال گاڑی سیدھی پورچ میں چلی آئی۔ حمید اٹھ گیا۔ نہ صرف اٹھ گیا بلکہ الرٹ بھی ہو گیا۔ کیونکہ گاری اُسی کے سمجھے کے سپرمنڈنٹ کی تھی۔

وہ گاڑی سے اُتھی رہا تھا کہ فریڈی بھی اندر سے آگیا۔

”اوہ..... آپ.....!“ وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولा۔

”ہاں..... سمجھے ہی آنا پڑا۔“ سوپرنے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”تشریف رکھنے جتاب.....!“ فریڈی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”شکریہ.....!“ اس نے بیٹھنے ہوئے کہا اور حمید کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہاں اس کی موجودگی غیر ضروری سمجھتا ہو۔

”تم ذرا کہہ دو..... کافی جلدی چاہئے۔“ فریڈی نے حمید سے کہا اور حمید نچلا ہوتا دانتوں میں دبائے وہاں سے رخصت ہو گیا۔

”جہنم کی کسی بھٹی پر کیتی رکھوادو۔“ وہ راہداری نے گزرتا ہوا بڑھ دیا تھا۔

سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ مقصد حقیقت کافی کے لئے جلدی نہیں تھی بلکہ اسے وہاں سے مالنا تھی مقصود تھا۔ وہ اب فریڈی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچتا چاہتا تھا۔ لہذا پھر زیلنی فون پر ٹوٹ پڑا۔ خواہ مخواہ کسی نہ کسی سے جھگڑا کرنے کو می چاہ رہا تھا۔ بس قاسم کے نمبر ڈائل کے جانتا تھا کہ قاسم کا ایک انشرونمنٹ خواب گاہ میں بھی رہتا ہے۔

تمن بار نمبر ڈائل کرنے کے بعد دوسری طرف سے قاسم کی دہڑ شانی دی تھی۔

”تو ن ہے..... میں سورہ ہوں۔“

”بالکل الوکے پڑھے ہو۔“ حمید نے آواز بدل کر کہا۔

”قیا..... ابے ہوش..... ہوش میں تو ہے۔“

”تمیز سے بات کرو ورنہ مار کر بھس بھر دوں گا۔“ حمید نے کہا۔

جباب میں قاسم نے شاکر گالیاں ہی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن غصے اور بوکھاہٹ میں

وہ گالیاں معنویت کی حامل نہیں ہو سکی تھیں۔

”یہ کتوں کی طرح کیا بھوک رہا ہے۔“ حمید نے کہا۔ غالباً قاسم سانس لینے کے لئے رک گیا تھا۔ لیکن پھر دوسری طرف سے آواز نہیں آئی۔ ویسے سلسلہ بھی منقطع نہیں کیا گیا تھا۔

”اے ریسیور ہاتھ میں لئے ہی سو گیا کیا۔“ حمید نے پھر کہا۔

”اے قون..... سالے.....!“ قاسم کی دہڑ شانی دی۔ غالباً پہلے وہ غصہ اور حیرت کی زیادتی کی بنا پر کچھ نہ کہہ سکا ہو گا۔

”میں توئی بھی ہوں..... لیکن تمہیں آج رات بھروسے نہیں دوں گا۔“

”اویغ..... غرامی..... قون ہے تو ع.....!“ اس بار قاسم حلق کے مل چکا تھا۔

حمدی اس کی عادت سے واقف تھا کہ ہار مان کر ریسیور نہیں رکھے گا۔ جتنی دیر چاہو الجھائے رہو۔ اس نے پہلے بھی اکثر وہ جی بھلانے کے لئے اسی حرکتیں کر چکا تھا۔ لیکن کبھی قاسم کو اس کا علم نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ حرکت اسی کی ہوتی ہے۔

”میں تمہارا خون پی لوں گا ورنہ زبان کو گلام دوسورنے کے پیچے۔“ حمید نے کہا۔

”جبان..... ابے اپنی جبان بھی تو دنخ..... اللہ غارت کردے اُسے سالا..... اپنی جبان نہیں دی جاتا۔“

”تمہیں تمیز ہی سے گفتگو کرنی چاہئے..... میں چاہے کتنی ہی گالیاں کیوں نہ دوں۔“

”تیرے باپ کے دادا کی دھونی ہے قوئی۔“ قاسم کی دہڑ شانی دی۔

”صرف میں ہی کافی ہوں تمہارے لئے۔ باپ دادا کوں تکلیف دے۔ الوکے پڑھے۔“

”بہت جلد مرے گا۔“ عاسالا تم..... دو ماہ بعد پھر زندگی جلانے تو جگایا ہے سمجھے۔

”اب تو روز جگاؤں گا۔“ مرغی کے تم.....!

”ابے..... ابے..... یہ کیا ہاتھی ہوئی..... مرغی کے تم.....!“ غالباً قاسم کی ڈھنی رو بہک گئی تھی۔

”ترکی زبان میں یہی چلتی ہے۔“

”نهیں..... وہ مجھے اطلاع دینے آئے تھے کہ خان وجاہت نے کچھ دیر پہلے میرے
خلاف ایک تحریری رپورٹ انہیں دی ہے۔“
”کس سلسلے میں.....!“

”میں ان کی گرف فریڈ پر ذورے ڈال رہا ہوں اور انہیں حراساں کرنے کیلئے میں نے
ان کی گاڑی کے ڈکے میں دھا کے کے ساتھ پہنچنے والا کوئی مادہ رکھوادیا تھا..... وغیرہ وغیرہ۔“
”بیوتوں کیا ہے اس کے پاس.....!“

”کل رات نیا گردہ میں کچھ آدمیوں نے دیکھا تھا کہ وہ اپنی گرف فریڈ کو میرے پاس
سے کھیٹ لے گیا تھا اور آج شام کو تھاری ہی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی ہائی سرکل کلب
میں مجھ کو اسے خونوار نظریوں سے گھوڑتے ہوئے دیکھا ہو گا۔“

”کیا ان گواہوں کے نام بھی رپورٹ میں درج ہیں۔“

”اوہ ہو..... اس کے بغیر تو وہ رپورٹ کوئی وقت ہی نہ رکھتی۔“

”لہذا اب تو مجھے بتا دیجئے کہ یہ کیا چکر ہے۔“

”کل بتاؤں گا..... اس سے پہلے نہیں۔“

حمدید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کا دروازہ ٹکھٹایا۔

”کون ہے..... آ جاؤ۔“ فریدی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک طازم کرے میں داخل ہوا۔

”کیا بات ہے؟“

”ڈرائیور روم میں..... ایک صاحب۔“

”کون ہے؟“

”بھی نہیں آتا صاحب۔ اگر یہی بھی فرائٹ والی ہے۔ کوئی اگر یہی ہیں۔“

حمدید جو فریدی سے پہلے ہی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا بولا۔ ”مجھے پوچھ رہی ہوں گی۔“

پھر وہ ”بلرز سرپٹ“ ڈرائیور روم تک آیا تھا۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی

”چلتی ہو گی..... مگر تم.....!“

”میں ایک لڑکی ہوں..... آواز بدل سکتی ہوں۔“

”نهیں.....!“

”ہاں..... پیارے۔“ اس بار حمید نے باریک سی نسوی آواز نکالی اور جواب میں
دوسری طرف سے قاسم کی ”عی عی عی عی“ نالی دینے لگی اور پھر اس نے کہا۔ ”تو تم مجھے
غالیاں..... قیوں دیتی رہتی ہو۔“

”محبت میں پیارے..... چانے کے لئے۔“

”تو آواج بھاری قرنے کی قیا جرودت ہے..... اپنی مشی والی آواج میں غالیاں دیا
قرود۔ الاقسم خس نہیں کر ستوں گا۔ عی عی عی۔“

”واتھی الو کے پچھے معلوم ہوتے ہو۔“ حمید نے نسوی عی آواز میں کہا۔

”مبلقل..... مبلقل..... عی عی عی۔“

”تم مجھے دیکھتے ہی رہتے ہو لیکن بھی نہ جان سکو گے کہ وہ میں ہیں ہوں۔“ حمید نے کہا۔
”اللہ قسم بتا دو۔“ حمیدیں میری جان کی قسم۔۔۔!“ قاسم صاحب گھمیل پیل ہونے لگے۔
”نهیں..... ہرگز نہیں..... یہ تو نہیں بتاؤں گی۔“ حمید نے کہا اور ٹھیک اسی وقت فریدی
نے اس کی گردن دبوچ لی اور ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین کر خود سننے لگا۔ اس وقت قاسم کہہ
رہا تھا۔ ”الاقسم بتا دو میں حمیدیں اپنی دل تی رانی بتاؤں گا۔۔۔ بولو۔۔۔ ہائے بولتی رہوں۔۔۔
کھاموشی کیوں ہو گھیں۔۔۔!“

”اب میں اس ناخبار کا باپ بول رہا ہوں۔“ فریدی غریبان۔

”اے باپ رے..... غوپ۔۔۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسہ منقطع ہو گیا۔
فریدی بھی ریسیور کھکھل کر حمید کی طرف مڑا۔

”آخر کب تک اس پہنچنے اور جما تتوں میں زندگی برس کرو گے۔“

”غالباً ایس پی صاحب کافی ہی پہنچنے آئے ہوں گے۔“ حمید نے سی ان سی کر کے کہا۔

پا چئے۔ اس طرح اس خواہش کی تجھیں میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔“

”میں نے پوچھا تھا کیا تم نے احتجاج کیا تھا اس روپورٹ کے خلاف۔“

”ہاں ہاں..... میں نے اُسے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“

”پھر اس نے کیا کہا۔“

”اس نے مجھے دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا کہ وہ یہاں کے بااثر لوگوں میں سے ہے۔ میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گی اگر وہ زبردستی پر اتر آیا۔ میں بھی سوچ کر خاموش رہ گئی کہ خواہ مخواہ بات بدھانے سے کیا فائدہ۔ لیکن اب وہاں سے بھاگ آئی ہوں۔ میں نے بھی ڈرائیور کو تمہارا پتہ دیا تھا وہ مجھے یہاں چھوڑ گیا۔“

”اب اگر خان وجاہت کو اس کا علم ہو تو۔“

”تو کیا ہو گا..... مجھے اسی پولیس آفیسر کے پاس لے چلو جسے تمہارے خلاف درخواست دی گئی ہے۔ میں اس سے کہہ دوں گی کہ میں خان وجاہت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔“

فریدی کچھ نہ بولا اور حیدر شروع ہی سے اپنی کھوپڑی سہلا تارہ تھا۔ بھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی اس چاند کے گلکے کی طرف۔ فریدی سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر گھری تشوش کے آثار تھے۔

”تم کیا سوچ رہے ہو۔“ دفتار عورت بولی۔

”خان وجاہت واقعی بااثر آدمی ہے اور خطرناک بھی۔“

”تو تم اُس سے ڈر گئے ہو۔ میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھی تھی۔“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حکومت کے ذمہ داروں سے اُس کے خاندان والوں کے مرام ہیں۔ وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔“

”میں کہتی ہوں مجھے اس پولیس آفیسر کے پاس لے چلو۔ میں صاف کہہ دوں گی۔“

”اُس سے کچھ نہیں ہو گا۔“

بریک لگ گئے۔ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساتھ ہی دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کار کے بریک سے کی طرح اس کے جسم کا کوئی حصہ بھی چڑھا دیا ہوتا۔ کیونکہ یہ وہی نخت مرد تھیں جن کی وجہ سے اس کی دوسری رات بھی گارت ہوتی جا رہی تھی۔
وہ حمید کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

”مم..... میں کمال سے ملتا چاہتی ہوں.....!“ اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور حمید کھڑا احتفانہ انداز میں پلکش جھپکا تارہ۔ اتنے میں فریدی بھی اندر آ گیا۔

”کمال.....!“ وہ اس کی طرف چھٹی اور پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں ملنے لئے ہیں۔

”وہ درندہ ہے کمال..... پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ابھی مجھے معلوم ہوا کہ اُس نے پولیس کو تمہارے خلاف کوئی روپورٹ دی ہے اور مجھے یہ بھی کچھ ہی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ تم ایک پولیس آفیسر ہو۔ یقین جاؤ خود اسی نے گاڑی میں کوئی ایسی چیز رکھی ہوگی جو دھماکے سے پھٹ جائے..... وہ جنگلی ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ اُس نے میرے خلاف کوئی روپورٹ کی ہے۔“

”اُرے مجھے ساتھ لے گیا تھا اس پولیس آفیسر کے پاس۔“

”تو تم نے بھی اُس سے کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے پولیس آفیسر سے۔“

”میں کیا کہتی۔ وہ دونوں لکھی زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اور اُس نے وہ روپورٹ بھی انگریزی میں نہیں لکھی تھی۔ میں مجھے بتا دیا تھا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔“

”تم نے احتجاج کیا ہو گا۔“

”یقیناً..... میں دراصل اسی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہم نیویارک میں ملنے تھے۔ مجھے عرصہ سے مشرق کی سیر کا شوق تھا۔ میں نے وجاہت میں صرف اس حد تک کوشش محسوس کی تھی

کہ اس سے دوستی کرلوں۔ میں نے اسے کبھی چاہا نہیں۔ ہاں تو میں مشرق کی سیر کرنا چاہتی تھی وہ اپنے وطن واپس آ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ مجھے اس کے ساتھ ہی جانا

”ای طرح ہستے ہو۔“ حمید نے ڈپٹ کر پوچھا۔
”اب نہیں آؤں گا دھو کے میں چاہے جتنی بھاری آواز میں بولو۔ ہی ہی ہی ہی“
پھر حمید اسے بے تھاش گالیاں دیتا رہا اور دوسری طرف سے ”ہی ہی ہی ہی“ کے علاوہ
اور کچھ نہیں سنائی دیا تھا۔

گشتنی

دوسری صبح حمید کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ پچھلی رات اسے نیند کیسے آ گئی تھی۔ غصے کے مارے آگ ہو رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی دروازے کی طرف چھپتا۔ ہینڈل گھما کر جھٹکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ چند لمحے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر کے بستر پر جایا گیا۔
پچھلی رات نیند آ جانے پر اسے حیرت تھی۔ کیونکہ انتہائی جھلامب کے عالم میں نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔
پچھلی رات قاسم کو فون پر گالیاں دینے کے بعد اس نے پھر کمرے سے باہر نکلا چاہا تھا لیکن دروازے کو باہر سے متقل پا کر تکوئے سے لگی تھی اور سر پر بھی تھی۔ غصہ کے مارے قریب قریب پا گل ہو گیا تھا۔
پھر یاد نہیں کس طرح غصہ فرو ہوا تھا اور اسے نیند آ گئی تھی۔ ہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈیوٹی پر حاضری برحق لیکن اب وہ اپنی راتیں اس چھت کے نیچے نہیں گزارے گا۔ کوئی بات نہیں۔ اتنا ذہل سمجھ لیا ہے کہ رہا باہر سے متقل کر دیا گیا تھا۔ جیسے وہ محل ہوتا۔ لعنت ہے۔ زندگی میں پہلی بار اسی کوئی حاقت ہو جائے تو یار لوگ مر بھوکوں کی طرح گرتے ہیں۔ یہاں کیا غم ہے۔ اتنے قریب آ کر پھر پلٹ جانی والی لاکیوں کی صحیح تعداد بھی اسے یاد نہ ہو گی ہونہا!

”پھر میں کیا کروں..... بتاؤ..... تمہارے ملک میں تھا ہوں۔ مجھے اس درندے کے پنجے سے رہائی دلاؤ۔“
”تم اپنے سفارت خانے سے کیوں نہیں رجوع کرتیں۔“
”لیکن میں کہوں گی کیا جب کہ سفارت خانے کو اس سے پہلے ہی مطلع کر چکی ہوں کہ اپنے دوست خان و جاہت کے ساتھ قام کروں گی۔“
پھر دفاترہ حمید کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ”یہ کون ہے؟“
”میرا استنشت.....!“
”کیا ہر معاملے میں تمہیں است کرتا ہے۔“
”ہاں.....!“

”لیکن یہاں تو اس کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔“ وہ مضمکانہ انداز میں مسکرائی۔ حمید نے بھنا کر کچھ کہنا چاہا تھا کہ فریڈی ہاتھ اخھا کر بولا۔ ”جاو..... آ رام کرو۔“
اور حمید کو ایسا محسوس ہوا ہیسے کسی نے اسے بہت بلندی سے نیچے چھینک دیا ہو۔ تیزی سے وہ دروازے کی طرف ہڑا تھا اور خواب گاہ میں آ کر کئی چیزیں توڑاں لیں تھیں۔ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ کر سر کوئی جھکلے دیئے تھے۔ پھر طلق پھاڑ کر چینچنے کوئی چاہا لیکن اس خواہش کو عملی جامنش پہنچا کا۔

دل کا بخار نکالنے کے لئے زبان ایٹھنی چاہی تھی۔ دفعتاً فون پر نظر پڑی اور وہ ایک بار پھر قاسم کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اب کے جواب ملنے میں دری نہیں گئی تھی۔
 غالباً قاسم پھر نہیں سویا تھا۔

”او موئے ہرامزادے۔“ حمید نے ماٹھ پیس میں دہاڑ مار کر کہا۔ لیکن جواب میں صرف ”ہی ہی ہی ہی“ سنائی دی۔

”کیا تمہاری یہوی مرگی ہے کہ اس طرح رور ہے ہو!“ حمید نے کہا۔
”اے مر بھی تو پلکتی صورت سے..... میں توہن رہا تھا۔“

”وہ میم صاحب تو آپ کے سامنے ہی آئی تھیں۔“

”ہاں تو پھر.....!“

”ٹھیک دو بجے رات کو ڈی آئی جی صاحب پہنچے۔ ان کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا اور ڈی آئی جی صاحب سے برابر کہے جا رہا تھا میرا دعویٰ ہے کہ وہ بھیں ہوگی۔ صاحب سوئے نہیں تھے۔ پتہ نہیں ڈی آئی جی صاحب سے انگریزی میں کیا بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرا آدمی خسے میں بھرا ہوا تھا۔ بار بار صاحب کی طرف مکاہلا تھا۔ لیکن کمال ہو گیا صاحب کو ذرا سا بھی غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ مسکراتے رہے تھے۔“

”اور وہ عورت کہاں تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”کسی کمرے میں رہی ہوگی۔ کیونکہ بعد میں صاحب اسے ڈائینگ روم میں لائے تھے۔“

”ان کے جانے کے بعد.....؟“

”صاحب ان کی موجودگی ہی میں..... عورت دوسرے آدمی کو دیکھ کر کچھ ڈری گئی تھی۔ اس نے چھپت کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا..... وہ چینے لگی تھی اور چینتے چینتے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ڈی آئی جی صاحب ہمارے صاحب کو غسلی نظرؤں سے گھوڑتے رہے تھے۔ پھر انگریزی میں کچھ کہتے ہوئے انہیں لوگوں کے ساتھ چلے گئے۔“

”کن لوگوں کے ساتھ.....!“

”عورت اور دوسرے آدمی کے ساتھ۔ وہ یہوش عورت کو ہاتھوں پر اٹھانے ہوئے تھا۔“

”اور پھر.....!“

”صاحب کچھ دری پھرے تھے اور مجھے خط دے کر وہ بھی کہیں باہر چلے گئے تھے۔ آپ والی موڑ سائکل لے گئے ہیں۔ مجھ سے کہا تھا صبح جب آپ جائیں اُسی وقت ان کا خط آپ کو دیا جائے۔“

حمید نے طویل سانس لی اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوا۔

”وہ عورت کون تھی صاحب۔“

وہ چونک پڑا۔ کسی نے باہر سے دروازے کو کھلایا تھا۔

”کون ہے..... آ جاؤ۔“ وہ غریباً۔

آنے والا حمید کا منہ لگا ملازم شریف تھا۔ حمید نے اُسے خنخوار نظرؤں سے دیکھا۔

”صاحب دے گئے ہیں؟“ اس نے ایک لفافہ حمید کی طرف پڑھاتے ہوئے کہا۔

”بھاگ جاؤ۔“ حمید نے لفاذ اُس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا اور وہ چپ چاپ کھک گیا۔

لفافے سے برآمد ہونے والی تحریر تھی۔

”حید..... عزیزم..... تمہاری خنگی حق بجانب ہے..... لیکن بعد

میں تمہیں اپنے غصے پر عدالت بھی ہو سکتی..... لیکن چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم اسی سے ایگل تیچ وا لے ہٹ میں آ جاؤ..... میری تحریر ضائع کر دو۔“

فریدی۔“

اس نے غیر ارادی طور پر خط کو دیا سلانی دکھادی۔ کاغذ جل گیا۔ لیکن اس کا ذہن اب بھی اپنے طور پر بھک رہا تھا۔ ایگل تیچ پر عیش ہو رہے ہیں۔

بہر حال تحریر نے ذہن پر اچھا ہی اثر ڈالا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بھی حماقت ہی ہے کہ

غصے کی بناء پر ناشتہ کہیں باہر کیا جائے۔ لہذا وہ ضروریات سے فارغ ہو کر ڈائینگ روم میں آیا۔

شریف یہاں بھی دکھائی دیا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اُسے کچھ بتانا چاہتا ہے۔

”اب کیوں میری جان کو آ گیا۔ وہری بار تیری شکل دیکھ رہا ہوں۔“ حمید نے اُس سے کہا۔

”میں اب بے ہوش ہو جاؤں گا صاحب.....؟“

”میری طرف سے تو جان بحق بھی ہو سکتا ہے۔“

”نہیں صاحب مذاق نہیں..... رات آپ پتہ نہیں کہاں تھے۔ یہاں کیا کچھ نہیں ہو گیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کیا وہ یہاں نہیں ہیں۔“

”نہیں صاحب۔“

”کب سے نہیں آئے۔“

”ایک مہینہ ہوتا ہے صاحب..... بس تھوڑی دیر کے لئے آئے تھے۔“

”خیر..... خیر..... دروازہ کھلو۔“

چوکیدار نے قفل کے سوراخ میں کنجی لگاتے ہوئے کہا۔ ”صاحب نے فون پر کہا تھا کہ آپ جب آئیں تو تمنی چار سات گیاہ پر انہیں فون کریں۔“

”تمنی چار..... سات گیاہ.....!“ حمید نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے دھرا لیا۔ اس کی دانست میں یہ نمبر پہلے کمی اس کے علم میں نہیں آئے تھے۔

بہر حال کچھ دری ٹھہر کر اس نے فون پر چوکیدار کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے۔

”یہیلو..... تھری فور سیوں ڈیل ون۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ لیکن یہ آواز تو فریدی کی نہیں تھی۔

”کمپنی حمید اسپیلنگ.....!“

”پلیز ہولڈ آن.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور کچھ دری خاموشی رہی۔ پھر اس نے فریدی کو کہتے سن۔ ”ٹھیک ہے۔“

”کیا ٹھیک ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہی کہ تم غالباً اس کا مقصد سمجھ عی گئے ہو گے۔“

”نہ سمجھوں تو زندہ رہنے کا فائدہ عی کیا.....؟“

”بہر حال تم نے دیکھا ہے کہ اب ہم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔ حکماں طور پر بھی اور ان لوگوں کی طرف سے بھی۔“

”کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔“

”ختم کرو..... فی الحال میں تمہاری کار گزاریوں پر خوش ہو رہا ہوں۔“

”اخاہ..... اب آپ کو بھی بتایا جائے۔“

”ہم سب بہت پریشان ہیں صاحب۔ اپنے صاحب کے بارے میں بھی کسی سے کوئی بُری بات نہیں سنی۔“

”جاو..... کان نہ کھاؤ۔“

وہ نہ اسامنہ بنائے ہوئے چلا گیا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ سارے ہی ملازم دل گرفت نظر آ رہے ہیں۔

اب اس کے ذہن میں بھی پہلا سا غبار باقی نہیں رہا تھا۔ ڈی آئی جی کی آمد۔ وہ دوسرا آدمی یقیناً خان و جاہنہ رہا ہوگا اور پھر ان محترمہ کی بے ہوشی..... ناشتے کے بعد اس نے پھر شریف سے اس سلسلے میں پوچھ گچھہ شروع کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عورت کا روں مشتبہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آخر ڈی آئی جی کی موجودگی میں اس کا صرف جیچ چلا کر بے ہوش ہو جانا کیا معنی رکھتا تھا۔ شریف یا دوسرے ملازمین انگریزی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انہیں کم از کم اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ بے معنی جیچ پکارا اور کچھ کہے جانے میں فرق کر سکتے۔

یقیناً کوئی بڑا چکر تھا جسے فریدی اپنے طور پر پہنچانا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ حمید کی عقل راہ پر آتی گئی اور وہ فریدی کی بدایت پر عمل کرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

لیکن کوئی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر ہوئی اور حمید نے تھوڑی عی دیر بعد محسوس کیا کہ اس کا تقاضہ کیا جا رہا ہے۔

ایگل ہج پہنچتے پہنچتے شب یقین میں تبدیل ہو گیا تھا۔ ایک لمبی سی ساہ گاڑی کوئی کے قریب عی سے لگی چلی آئی تھی۔

ہٹ کے سامنے لیکن روکتے وقت وہ اس کے برابر عی سے گذری چلی گئی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی تھا اور وہی اسے ڈرائیور کر رہا تھا۔

حمد گاڑی سے اتر کر ہٹ کے دروازے پر آیا۔ محافظ نے پہلے عی اسے دیکھ لیا تھا۔ لپٹا ہوا اس کے قریب آ کر بولا۔ ”سلام صاحب..... بڑے صاحب کا فون آیا تھا۔“

”تو پھر آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟“
”نی الحال آرام کر رہا ہوں..... میرے متعلق کسی کے بھی سوال کا صحیح جواب نہ دو۔ سوال
کرنے والے خواہ ہمارے آفیسر ہوں خواہ ملنے جلتے والے۔“

”آخر چکر کیا ہے..... خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکے میں آپ کی انگلیوں کے نشانات
کیوں نکلے؟“

”ظاہر ہے کہ وہ میری ہی انگلیوں کے نشانات تھے۔“

”اوہو..... تو وہ آستینکر مادہ۔“

”وہ صرف ایک آٹو میک پناہ تھا..... مقصد یہ تھا کہ وہ دونوں کسی کھلی جگہ میں گاڑی
سے باہر نکل آئیں۔“

”آخر کیوں؟“

”عوزت کی تصویر لئی تھی۔“

”میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

”احمق ہو..... تمہاری اس نیگر لیں دوست کے بیان کی تصدیق کرنی تھی۔“
”تو کیا؟“

”ہاں..... تصدیق ہو گئی ہے۔ اس کا بیان درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ نیک نام عورت
نہیں ہے۔ کسی دور دراز اسٹیٹ سے نام بدل کر پاسپورٹ حاصل کیا ہو گا اس نے..... بہر حال
شکا گو پولیس کی رپورٹ اس کے بارے میں اچھی نہیں۔“
”کیا چکر ہے؟“

”کچھ بھی ہو کیس کی کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر ہے گا مطمئن رہو۔“

”لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈکے میں آپ نے اپنی انگلیوں کے نشانات کیسے چھوڑے۔“
”جان بوجھ کر۔ نی الحال تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ویسے تمہیں عام طور پر ظاہر یہی کرنا ہے
کہ تم میری گشادگی کی وجہ سے پریشان ہو۔“

”اس طرز کا تعلق میری کس حماقت سے ہے۔“

”بصدق دل کہہ رہا ہوں فرزند..... تمہاری حماقتوں زیادہ تر میرے لئے کارآمد ثابت
ہوتی رہی ہیں۔ اس پار بھی اتفاق آیا ہی ہوا ہے۔“

”وضاحت فرمائیے..... ورنہ میں خوشی کے مارے پاگل نہ ہو سکوں گا۔“

”وہ نیگر لیں..... صفورا.....!“

”اس پر تو کرم ہی کجھے..... اب کیا میں اتنے کا بھی حصہ رکھیں۔“

”خیر گولی مارو..... میں دشوار یوں میں پڑ گیا ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکے میں میری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اور دوسری طرف وہ عورت بھی میرے ہی گھر سے برآمد ہوئی۔“

”شریف نے مجھے بتایا تھا۔ لیکن بات میرے پلے نہیں پڑی۔“

”عزیز القدر..... وہ تو بڑی عجیب پہچونش تھی۔“

”اب جلدی سے کہہ ڈالئے..... ورنہ میرے دم نکل آئے گی۔“

”بھی وہ پناہ لینے کے لئے میرے پاس آئی تھی..... لہذا میں نے ایک کمرے میں اس
کے لئے انتظام کر دیا تھا۔ ڈھانی بجے رات کو خان وجاہت ڈی آئی جی صاحب سیت
آپنچا..... وہ مطالبة کر رہا تھا اس کا۔ میں نے اُسے بلویا اور وہ پاگلوں کی طرح چینچت ہوئی بے
ہوش ہو گئی۔ اب تم خود سمجھو فوری طور پر ان لوگوں نے کیا سمجھا ہو گا۔“

”اب کیا خیال ہے ان کا.....!“

”وہ ہوش میں آگئی ہے لیکن زبان بند ہے۔ کچھ بولتی ہی نہیں۔“

”میں جا کر زبان کھلاؤں۔“ ”حمدی نے چک کر پوچھا۔“ ہے کہا۔.....؟“

”سول ہسپتال میں۔“

نوما اسکرانا کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ کیا کہا جاسکتا ہے اساتفاق کو۔ اس حد تک تو حمید کی الجھن رفع ہو گئی تھی کہ اس کہانی میں فریدی کسی قسم کا رول ادا کر رہا ہے لیکن اب یہ فکر تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کرے گا کیا۔ وہ کافی دیر یک کھڑکی کے قریب کھڑا پاپ کے ہلکے ہلکے شیش لیتا رہا تھا۔ اس کے بعد جو شامت نے گھیرا تو دریافت حال کے لئے سر جنٹ ریمش کو فون کر بیٹھا۔ اس نے کہا فوراً آفس پہنچو ورنہ تم بھی لا پتہ قرار دے دیئے جاؤ گے۔

اور پھر جب وہ آفس پہنچا تو وہاں کافی سفینی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی کے حریف آفسروں نے آسے گھیر لیا اور وہی افواہ سننے میں آئی جس کا خدشہ تھا۔ اخوااء بالجبر اور اسی زبردستی کو وہ ہوش و حواس ہی کھو بیٹھی۔ ایک اسپکٹر نے تو کھل کر کہا تھا کہ فریدی صاحب کا تجدو رنگ لا لایا ہے۔ بلا آخربوکھلا گئے حضرت۔ ساری بندشیں ٹوٹ گئیں۔ ایسے خط الحواس ہوئے کہ سالہاں سال کی نیک نامی کو داغ لگا بیٹھے۔ حمید کیا بولتا۔ بس ستا اور لطف لیتا رہا تھا۔ پھر ایک صاحب کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے مزے لے لے کر بولا تھا۔ ”بس کیا پوچھتے ہیں صاحب۔ مجھے تو صبح ہی علم ہو سکا جب چیزیں کھیت چکی تھیں۔ ویسے رات کو ڈیڑھ بجے آنکھ کھلی تھی اور میں نے کسی ضرورت سے باہر نکلنا چاہا تھا لیکن نہیں نکل سکا تھا کیونکہ میرے کمرے کا دروازہ باہر سے مغلول کر دیا گیا تھا۔ یقین بکجھ میرے فرشتوں کو بھی اصل واقعہ کا علم نہیں تھا ورنہ جیجیجی کر پوری کوٹھی سر پر اٹھا لیتا۔ مجھے تو صبح نوکروں سے معلوم ہوا تھا..... اوہ..... میں نہیں جانتا کہ اب وہ کسی کو منہ دکھا بھی سکیں گے یا نہیں۔“

پھر اسے براہ راست ڈی آئی جی کے آفس میں طلب کر لیا گیا۔ ڈی آئی جی کے شامنے پیشی ہوئی اور اس نے وہی سب کچھ بتایا جو اس سے پہلے دوسروں کو بتا چکا تھا۔ ڈی آئی جی کے استفسار پر اس نے کہا۔ ”جتاب عالی یقین فرمائیے۔ میں ایسی کسی عورت کے وجود کا علم نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سب کچھ خواب ہے۔“ ”مجھے بے حد فسوس ہے..... ایسا شاندار آفسیر جسے ٹھکے کی تاک کہنا چاہئے اس طرح

”کیا قیام یہیں رہے گا۔“

”ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔“

”ایک بات اور بتا دیجئے۔ کیا وہ عورت کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں دریافت ہوئی تھی۔“

”نہیں..... بس یونہی اتفاق تھا..... دریافت نہیں ہوئی تھی بلکہ اب تو یہی کہنا چاہئے کہ اس نے مجھے دریافت کیا تھا۔“

”نام کیا ہے۔“

”نوما اسکرانا کے نام سے شکا گو پولیس جانتی ہے۔ یہاں ایلی نور کے نام کے پاسپورٹ پر آئی ہے۔ خیر ہاں تو سنو۔ تم جب بھی چاہو اسی فون نمبر پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ میں نہ ملوں تو پیغام لکھوادو۔“

”کچھ اور.....!“

”نہیں بس.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ مقطع ہو گیا۔

حمدی نے طویل سانس لی اور رسیور رکھ کر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ آسان پر بادل تھے اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا ننگ تھی۔ بہر حال بجیشتِ جمبوی وہ دون خشکوگار کہنا جاسکتا تھا۔ اس نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے سوچا یقیناً وہ لاؤ فریدی کو کسی جاں میں چھانٹا چاہئے ایں۔ مگر خدا کی پناہ..... یہ عورتی..... اس کے انداز میں لکھنی پر دگی تھی جب وہ فریدی کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ آنکھوں میں گویا محبت کا سمندر خھاٹھیں مار رہا تھا۔ ایسا لگتا جیسے وہ اپنے وجود کو فریدی کے وجود میں سودہ بنا چاہتی ہو۔ پھر کسی کر بنا ک کیفیت اس کی آنکھوں میں نظر آئی تھی جب خان وجہت اسے فریدی کے پاس سے گھسیت لے گیا تھا۔ خداوند ایسے سب کچھ کیا ہے۔ یہ صلاحیت تو نے صرف عورتوں میں کیوں دیتے کی ہے۔ پھر اسے صفوراً یاد آئی اور اسے تعلیم کر لیا پڑا کہ خود قدرت ہی فریدی پر مہربان ہے۔ ورنہ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اس کی خدم میں کسی ایسی عورت سے جا نکل رہا جو اس عورت نوما اسکرانا سے اس حد تک واقف ہوتی۔ بہر حال صفورا کے بیان کردہ حالات جانتے سے قل فریدی

خانج ہو گیا۔ اب کیا ہو سکتا ہے..... اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لئے سامنے نہیں آ جائے کوئی کیا کر سکے گا۔ کچھ بھی تو نہیں۔“

ذی آئی بھی تجھے رنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔ حمید کے ذہن پر بھی خواہ مخواہ افسردگی طاری کیا اور وہ تینوں سیدھے اسی کی میرزی کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

وہ اپنی میرز پر تھا تھا۔ تمباں کر سیاں خالی تھیں۔ وہ اس کی اجازت حاصل کئے بغیر بیٹھے ہونے لگی۔

”اچھی بات ہے۔“ ذی آئی بھی نے ملاقات ختم ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔“

”تم کیپن حمید ہو۔“ خان وجاہت نے توہین آمیز بجھے میں کہا۔

”ہاں..... اور بد تیزروں کا جبر اتوڑ دینے کے لئے شہرت رکھتا ہوں۔“

”کیا مطلب؟“

”ہمارے معاشرے میں ایسا طرز تماطل بدقیقی کے متادف ہے۔“

”میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فریدی کہاں ہے۔“ خان وجاہت میر پر گھونسہ مار کر بولا۔

”تم ہو کون؟“ حمید آنکھیں نکال کر دہڑا۔

”شش اپ!“

حمدیا چھل کر کھڑا ہو گیا اور خوکر مار کر کری ایک طرف گردی۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ بغلی ہو لش پر پہنچ گیا تھا۔

وہ تینوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

وھعندا ان میں سے ایک آدمی نے خان وجاہت کی طرف مڑ کر بجائت سے کہا۔ ”باس

لیز بات بڑھانے سے کیا فائدہ..... کیپن حمید بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”اچھا تو پھر تم علی گفتگو کرو۔“ خان وجاہت نے کہا۔ لیکن اس پار بھی اس کا لہجہ چھڑا کھانے کا ساتھا۔

”بیٹھ جائیے کیپن!“ اُسی آدمی نے حمید کی گرائی ہوئی کری سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

”اب گفتگو دستانہ ماحول میں ہوگی۔ باس ہمارے معاشرے سے کافی ٹوں دور ہے ہیں۔“

اس اچاک تبدیلی کے لئے حمید تیار نہیں تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ دوسرے علی لئے میں ہو لش

کم از کم ہر وقت محلے کی پہنچ ہی میں رہنا۔“

”بہتر جناب۔“ حمید نے کہا تھا اور سلام کر کے رخصت ہو گیا تھا۔

گورکھ دھندا

دو دن جوں توں گذرے اور تیسرا دن تو حمید کا دم گھٹنے لگا۔ فریدی کے بیانے ہوئے نہروں پر فون کر کے پیغامات نوٹ کر اتار ہا تھا۔ خداوس سے ایک بار بھی گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔

تیسرا دن گذرانا مشکل ہو گیا اور اب تو اسے بھی ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے سچ نہ

فریدی سے اس گھناؤ نے جنم کا رنگاب ہو گیا ہو۔ گھنن کی وجہ غالباً یہی احساس تھا۔ اسی دن

اُسے اطلاع طی کر خان وجاہت نے ملکے کے بعض آفیسروں کو رہا بھلا کہا تھا اور ان پر یہ بات

واضح کی تھی کہ اگر جرم دو دن کے اندر اندر نہ پکرا گیا تو وہ اس معاملے کو آپگے بڑھادے گا۔

پریس کو بھی مطلع کر دے گا کہ خود قانون کے محافظہ کس طرح قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

اس کا دل چاہا کہ خان وجاہت کو راہ چلتے لکار دے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو رہا تھا کہ پھر قانون کے محافظوں کی غنڈہ گردی کے حوالے بھی دیئے جانے لگیں گے۔ دیے یہ کوئی

نہیں سوچتا کہ قانون کے محافظ بھی آدمی ہی ہوتے ہیں اور ذاتی توہین پر انہیں بھی غصہ آ سکتا ہے۔

کل وہ حکمے کو اپنی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا تھا۔ لہذا یہاں سے بھی اُس نے فون پر ایک ذمہ دار آفیسر کو مطلع کیا تھا کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہے۔

”تو یہ کہئے۔“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ”مجھے کارروائی شناخت کے لئے وہاں لے جایا جا رہا ہے۔“

”اب جو کچھ بھی سمجھتے۔ حکم نامہ آپ کے حوالے کر چکا ہوں۔“

”ہوں..... اون.....!“ حمید احتشام ہوا بولا۔ ”چلتے..... لیکن ٹھہریے۔ میں یہاں سے روائی کی اطلاع بھی اپنے حکمے کے ایک ذمہ دار آفیسر کو دوں گا۔“

”آپ کی مرضی۔“

حید اُن تینوں آدمیوں کے ساتھ شیر کے کمرے میں آیا۔ وہاں سے اپنے آفس کو اطلاع دی کہ وہ پرنسپلٹسٹ کے تحریری حکم کے مطابق خان وجاہت اور اُس کے دوسرا ٹھیوں کے ہمراہ خان وجاہت کی قیام گاہ پر جا رہا ہے اور پھر وہ باہر آگئے۔ خان وجاہت کے ساتھی نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہوش آجائے کے بعد وہ ہسپتال سے خان وجاہت کی کوئی میں منتقل کر دی گئی ہے۔

اور خان وجاہت کی کوئی کمکتی کے اس کمرے میں پہنچ کر جہاں وہ عورت موجود تھی حمید پر یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ اُس کے لئے باقاعدہ طور پر جال بچھایا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں اس نے ذی آئی جی کو بھی بیٹھنے پایا۔ عورت ایک آرام کری پر نیم دراز تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ حسین دکھائی دیتی تھی۔

”ہاں..... یہی ہے۔“ اس نے حمید کو دیکھتے ہی کہا۔ ”یہ آدمی اس وقت وہاں موجود تھا۔“

ذی آئی جی نے قہر آلو نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور حمید سمجھ گیا کہ کچھ اس سے پہلے امر سنگھ اور ریمش کی شاخی پر یہ ہو چکی ہے۔

”میرا خیال ہے کہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔“ حمید ڈھنائی سے بولا۔

”فضل بکواس مت کرو۔“ ذی آئی جی نے غصب ناک ہو کر کہا۔

سے رویا اور نکال لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ بہر حال اُسے طوعاً و کرہاً بیٹھنا پڑا۔ اتنی میں نبیر بھی دوڑا آیا تھا۔ لیکن وجاہت نے ہاتھ کے بے ڈھنگے اشارے سے اُسے واپس جانا کو کہا۔ وہ بے بُسی سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا چپ چاپ چلا گیا۔

”مادام ایلی نور..... ہوش میں آگئی ہیں۔“ وجاہت کے ساتھی نے کہا۔ ”مطلوب یہ اب وہ گفتگو بھی کر سکتی ہیں۔ ہم نے اُن سے انکی خیریت معلوم کرنی چاہی۔ لیکن انہوں نے کہا وہ کرتل فریدی کے اسٹنٹ ہی کی موجودگی میں گفتگو کر سکیں گی جو اس وقت وہاں موجود تھا۔“

”تو پھر آپ حضرات سید ہے میرے ہی پاس کیوں چلتے آئے۔ کرتل فریدی کے اسٹنٹ اور بھی ہیں۔ سارجنٹ ریمنش اور سردار امر سنگھ.....“

”ان دونوں حضرات کے تعارف پر وہ اُن سے اپنی ناداقیت کا اظہار کر بچی ہیں۔“

”پھر یہ قطعی غلط ہے کہ اُن کی مراد مجھ سے ہوگی..... میں تو بے خبر سو رہا تھا۔“

”یہ تو وہ بیان ہے جو آپ نے اپنے حکمے کو دیا ہے۔“ دوسرا آدمی اپنی آنکھ دبا کر مسکرا لیا۔

”میرے پاس دوسرا کوئی بیان نہیں ہے۔“

”اچھا تو پھر از راہ انسانیت ہماری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ وہ بس کی مہمان تھیں۔ اُن حادثے سے بس کی سخت توہین ہوئی ہے۔“

”بھائی..... میں تو اس توہین کا ذمہ دار نہیں اور پھر چونکہ یہ معاملہ ایک کیس کی حیثیت ماحصل کر چکا ہے لہذا میں اپنے پرنسپلٹسٹ کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔“

”ہم آپ کے لئے اجازت نامہ ہی لائے ہیں..... ملاحظہ کیجئے۔“ اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

یہ اُس کے لئے پرنسپلٹسٹ کا حکم نامہ ہی تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مس ایلی نور کا بیان قلم بند کرے۔

”ہمیں پرنسپلٹسٹ صاحب ہی سے معلوم ہوا تھا کہ آپ یہاں ملیں گے۔“ وہی آدمی بولا اور حمید نے پرشوشاں انداز میں اپنے سر کو جنمش دی۔ ذی آئی جی کے حکم کے مطابق اُن

مودری تھی۔

پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”یہ ہیں مسٹر ماں یکل برگ شکا گو پولیس کے اپنے بکار خاص۔“

”ماں یکل برگ.....!“ عورت اچھل پڑی۔

”ہاں کتیا..... اب کہاں جاؤ گی نق کر۔“ فریدی کا ساتھی بولا۔

اب حمید نے غور ہے دیکھا وہ یقیناً ایک سفید قام غیر ملکی تھا۔

”یہ کیا گور کھو دھندا ہے۔“ ذی آئی جی فریدی کی طرف متوجہ ہو کر بڑا ہوا۔

”ماں یکل برگ..... یہاں سے چل جاؤ۔“ فتحا عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ ”یہ شکا گو نہیں ہے۔“

”آج چہلی بار تمہارے خلاف ایک واضح ترین ثبوت ہاتھ ہی آیا ہے۔ کیا بحثی ہوت۔ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا۔“

”کیا ثبوت.....؟“

”شکا گو کی نوماکم از کم شکا گو کے لئے نوماہی رہنے ہے۔ ایلی نور نہیں بن سکتی۔ تم نے ہام بدل کر جعلی پاسپورٹ پر سفر کیا ہے۔ دھکوتوں کو دھوکا دیا ہے۔ تم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے۔ باقی ہم خود ہی انکھوںیں گے۔“

”تم کوئی بھی ہونکل جاؤ یہاں سے ورنہ دھکے مار کر نکال دوں گا۔“ خان وجہت دہڑا۔

”میری موجودگی میں بھی۔“ فریدی استہزا سے انداز میں مسکرا یا۔

ذی آئی جی بالکل خاموش تھا۔

خان وجہت اپنے یکل کی طرف گھونستاں کر بڑھا۔

”ہوش میں آؤ۔“ فریدی اکلے درمیان آتا ہوا غزالی۔ ”مجھے علم ہے کہ تم بہت طاقتور ہو۔“

”اچھا تو پہلے تم ہی لو۔“ خان وجہت نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ لیکن وہی ہاتھ پہ بھر میں فریدی کی گرفت میں تھا۔ وجہت نے باسیں ہاتھ کو کام میں لانا چاہا لیکن وہ بھی فوری طور پر پکڑ لیا گیا۔ پھر شروع ہوئی زور آزمائی۔

حمدی نے خاموشی اختیار کی اور اندر ہی اندر کھوٹا رہا۔ اب اس عورت نے بولنا شروع کیا۔ بالتفصیل ایسے دل ہلا دینے والے واقعات بیان کر رہی تھی کہ شیطان کے کان بھی بہرے ہو جائیں۔

ذی آئی جی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آخر اس نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ”اب تم کیا کہو گے۔“

”جناب عالی! میں کیا عرض کروں۔ میں نے پہلے بھی ساری باتیں دوسروں سے سنی تھیں اور یہ واقعہ ان کی زبانی سن رہا ہوں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کتنی صاحب ایسی ہی بہیانہ مودہ میں تھے تو انہیں اس کا ہوش کیسے رہا ہوا کہ ان سے میرا بھی تعارف کرتے۔ انہیں یہ بتاتے کہ یہ میرا استثنی ہے اور اگر انہوں نے خود ہنی اندازہ لگایا تھا کہ میں ان کا استثنہ ہوں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ میں نے اس نامقویت میں بھی انہیں است کیا ہو گا۔“

”تم کیا بکواس کر رہے ہو۔“ خان وجہت بول پڑا۔

”شش اپ یورڈری سوا میں..... میں صرف اپنے آفسر کو جواب دہ ہوں۔“ حمید کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک ملازم ہانپتا کا پہنچا کر میں داخل ہوا۔

”سرکاروہ چلے آرہے ہیں..... روکے نہیں رکتے۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”کون.....!“ خان وجہت دروازے کی طرف چھپتا ہی تھا کہ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے فلک ہیٹ اتارتے ہوئے ذی آئی جی کو سلام کیا۔

”تم.....!“ ذی آئی جی بوكھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ ”اس طرح۔“

حمدی کا تو سر ہی گھوم کر رہا گیا تھا۔ اس نے سوچا ممکن ہے فریدی کو یہاں ذی آئی جی کی موجودگی کا علم نہ رہا ہو اور وہ ہر قسم کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر خان وجہت سے پہنچنے کے لئے اس طرح زبردستی گھس آیا ہو۔

”جناب عالی.....!“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔ ”اس نازک موقع پر میری موجودگی بہت

اور دوسرے ہاتھ سے بازو پکڑ کر اسے مائیکل کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔ ”لو اسے سن جاؤ۔“
مائیکل نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑتے ہوئے دو ٹین جھکٹے دیئے اور وہ جو ش
کھائی ہوئی کتیا کی طرح بلبانے لگی۔

خان وجاہت کے باسیں شانے میں گولی گلی تھی۔

”حمدی.....!“ فریدی بولا۔ ”خان وجاہت کو مجھے کی حوالات میں دیتا ہے۔“

”تم جو بھی کرنے ہو۔“ ڈی آئی جی نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ انداخت کر بولا۔
”دھو صی اجازت نامہ کا حوالہ دینے کے بعد ذمہ داری مجھ پر ہوتی ہے۔ بہر حال میں کچھ دیر
بعد آپ کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔“

خان وجاہت نے پھر مزاحمت کرنی چاہی تھی لیکن فریدی نے بڑی سنجیدگی سے اسے
سمجنے کی کوشش کی تھی کہ وہ زخمی ہے اگر اسکے ہاتھوں سے بھی مزید زخم پہنچ تو اسے افسوس ہو گا۔



دوسری شام کو حمید فریدی کے ہمراں خانے میں اسپکٹر مائیکل کے لئے کاک میل بتا رہا
تھا۔ مائیکل اور فریدی سگار سے شغل کر رہے تھے اور صفوراً مدھم سروں میں ایک گیت گاری تھی۔
حمید اسے بہاں لے آیا تھا لیکن اپنے بارے میں نہ جانے کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ خود
بھی ایک آفسر ہے۔ فریدی کو اپنے اس دوست پولیس آفسر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔
جس کے کہنے پر مبینہ طور پر انہوں نے نوما کا تعاقب کیا تھا۔

ابھی تک حمید کو نہیں معلوم ہوا کہ آخر خان وجاہت کیوں حوالات میں دیا گیا
ہے۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ وہ بھی نوما کے دھوکے میں آگیا تھا۔ اس کی اصلیت سے واقع نہیں تھا۔

”یہ کیا ظلم ہے.....!“ ڈی آئی جی کی آواز بھرا کی ہوئی تھی۔

”فریدی.....!“ ڈی آئی جی کی آواز بھرا کی ہوئی تھی۔

”براؤ کرم فی الحال مداخلت نہ کیجئے۔ میرا خصوصی اجازت نامہ محفوظ ہے اور وہ ایسے
موقع پر کام آتا ہے۔ خان وجاہت اگر تم نے جھکٹا دے کر اپنی کلا یاں چھڑانے کی کوشش کی تو
کلامی کی ہڈیوں کی ضمانت نہ دی جائے گی۔“

خان وجاہت کی بچھرے ہوئے بھیڑیے کی طرح غرار ہاتھا۔ لیکن شاید اس نے بھی ایہ
محسوں کر لیا تھا کہ فریدی نے غلط نہیں کہا۔ اسی لئے اب جھکٹے سے کلامی چھڑا لینے کی کوشش ترک
کر دی تھی اور اس پر پلا پڑ رہا تھا۔
دفعتاً فریدی ڈی آئی جی سے کچھ کہنے کے لئے اس کی طرف مزا۔ ساتھ ہی نوما پر بھی نظر
پڑی جس نے پستول نکال لیا تھا۔

”ہاتھ انداخا سب.....!“ تیز سیٹی کی آواز میں چینی تھی اور فریدی نے بڑی پھرتی سے
خان وجاہت کو پستول کی زد پر موڑ دیا تھا۔

”چھوڑ دو اسے ورنہ فائز کر دوں گی۔“

”خاموش رہو میری توہین نہ کرو۔“ خان وجاہت غرایا۔

”نوما! پستول زمین پر ڈال دو۔“ اسپکٹر مائیکل کی آواز تھی۔

”اچھا تو پہلے تم ہی سکی۔“ نوما کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی فریدی نے خان وجاہت کو
دھکا دیا۔ فائز کی آواز ہوئی اور خان وجاہت کرایا۔

فریدی نے اسے اس طرح دھکیلا تھا کہ وہ نوما اور مائیکل کے درمیان آگیا تھا۔ اسی
وقت نوما نے مائیکل پر فائز بھی جھوک مارا تھا۔ لیکن اسے دوسرے فائز کی مہلت نہ ملی کیونکہ اس
کے بعد فریدی اس کی طرف جھپٹا تھا۔ نوما نے خان وجاہت کو لڑکھڑاتے دیکھا تھا۔ جھکٹی تھی اور
پھر اس کا پستول فریدی کے ہاتھ میں نظر آیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اس کا پستول سن جھلا تھا۔

علم نہ تھا کہ نوما اتنی اذیت پسند بھی ہے۔ ہم تو اس کے کام لے کاروبار کے متعلق کوئی واضح قسم کا ثبوت فراہم کرنے کی فکر میں رہے تھے۔

”لیکن پھر وہ شکا گوئیں رلانے والی کے نام سے کیوں مشہور ہے۔“ حمید نے پوچھا۔
” بلاشبہ..... وہاں اس کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وجہ دوسرا ہے۔ بھولے بھالے تو جانوں سے عشق کا ڈھونگ رچاتی ہے اور پھر کچھ دنوں کے بعد انہیں ٹھکراؤ تھی ہے اور وہ شراب خانوں میں بیشے نشری کیالت میں روئے دیکھے جاتے ہیں۔“

”خان وجاہت کے خلاف آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔“ حمید نے فریدی سے پوچھا۔
”وہ تو کسی صورت سے بیچ ہیں نہیں سکتا کیونکہ اس نے یہاں کے پرانے جرام پیشہ لوگوں سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ انہیں نشیات کی ناجائز تجارت کے سائینیف طریقوں پر لیکھ رہا دیا کرتا تھا۔ باقاعدہ کلاس لیتا تھا۔ حمید صاحب وہ سب میری گرفت میں آگئے ہیں۔ چار دنوں تک یہی سب کچھ تو کرتا رہا ہوں۔ خان وجاہت کو مطمئن کر دیا تھا میں نے کہ میں پوری طرح اس کے پکڑ میں پھنس گیا ہوں۔ اسی یقین دہانی کے لئے میں نے اس گاڑی کے ڈکے میں انگلوں کے نشانات چھوڑے تھے۔ وہ سمجھا شائد مجھ پر بھی رقبابت سوار ہو گئی ہے۔ اسی لئے وہ مجھے نوما کے ساتھ ملوث کرنے میں جلد بازی سے کام لے گیا۔ میرے غائب ہو جانے پر سمجھا کر میں شہر ہی سے چلا گیا ہوں کیونکہ اس کی دانست میں فوری طور پر اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتا تھا۔ بہر حال وہ میری طرف سے مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگ گیا اور میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔“
”مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے کر لیا۔“

”بیسویں صدی میں بیشہ کریتر کا اکٹھار کر رہے ہو۔ ارے نوما کی تصوری اسی رات کو لا سکل کے ذریعہ شکا گنجوادی تھی اور دوسری صبح اسی ذریعے سے جواب وصول کر لیا تھا اور ماں میکل بائی ایس پہنچ ہیں یہاں۔“

”آخری سوال..... سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آپ نے اس رات میرا کرہ بارہ سے مقفل کیوں کر دیا تھا۔“

”فھٹا فریدی نے اردو میں کہا۔ ”بُر خوردار..... اب اپنی اس عنبر قام کو رخصت کیجئے۔“ اور حمید نے صفورا سے کہا۔ ”تم سانپ دیکھنا چاہتی تھیں۔ آؤ چلو میرے ساتھ۔“ حمید صفورا کو عمارت کے اس حصے میں لاایا جہاں سانپ تھے۔ راستے میں شریف مل گیا۔ اس نے صفورا کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اس کے ساتھ جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔“ اور پھر مہمان خانے کی طرف پلٹ آیا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس وقت ماںکل سے کسی اہم معاملے پر گفتگو کر رہا ہو گا۔ اسی لئے صفورا کو وہاں سے ہٹایا تھا۔ اس کا خیال غلط نہ تکلا۔ فریدی اپنے ماںکل سے کہہ رہا تھا۔

”نوما یہاں خان وجاہت کی مدد سے اپنے کاروبار کو مزید وسعت دیتا چاہتی تھی۔ اس طرح دنیا میں ایک بالکل عی نیا مین الاقوامی گروہ نشیات کی ناجائز تجارت کے لئے تکمیل پا جاتا۔ نوما اس کی سر برداہ ہوتی اور ہمارے ملک کی ناجائز تجارت کی سر برداہی خان وجاہت کے حصے میں آتی۔ یہاں کے جرام پیشہ میرے بارے میں بھی کسی خوش فہمی میں جانا نہیں ہو سکے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے راستے سے ہٹائے بغیر وہ کسی بڑے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ لہذا نوما کو مشورہ دیا گیا کہ کسی طرح مجھے الجہاد یا جائے نا کروہ اطمینان سے بُرنس آر گناہ کر سکیں۔ خان وجاہت کی موٹی عقل میں یہ تدبیر آئی کہ خود مجھے ہی کسی معاملے میں ملوث کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی دانست میں مجھے اپنی برأت کی فکر ہوتی اور میں چاروں طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے ہی الجھزوں میں ڈی جاتا۔ بہر حال نوما خود ہی میری طرف آئی تھی اور خان وجاہت نے رقبت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ کوئی پکڑ ہے لہذا معاملے کی تہہ سک پہنچنے کے لئے میں بھی نوما کی طرف جھلکا چلا گیا۔ لیکن خان وجاہت کی رقبابت مجھے کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچنے دے رہی تھی۔ اپاںک قدرت مہربان ہوئی مجھ پر اور وہ کمال لڑکی خود بخود عقدہ کشانی کا باعث بن گئی۔ میں نے تم سے رابطہ قائم کیا اور تم اس خوشی میں دوڑے چلے آئے کہ تمہیں چلی بار نوما کے خلاف ایک واضح ترین ثبوت مل رہا ہے۔“

”میں تمہارا شکر گزار ہوں..... پارے دوست۔“ ماںکل بولا۔ ”لیکن ہمیں اس کا قطعی

”میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ زبردستیوں والا عذر اس طبق کیا جائے گا۔ لہذا میں نے سوچا کہیں تم کوئی حماقت نہ کر پہنچو۔ عقل مند بننے کی کوشش نہ کردا لو۔ کھلیں گزر جاتا اور اس طرح۔“

”ہوں..... اول.....!“ حیدر ہلاکر بولا۔ ”ایک بات اور ہے..... خیر..... پھر کہی، کبھی نہایت میں پوچھ لوں گا۔“

ماں کیل ہننے لگا۔ فریدی سارے سلکارہ تھا۔

ختم شد

تصویر کا درسم

(مکمل ناول)

ڈرائے میں سمجھی چوٹی کا صدا کار تھے۔ لیکن سننے والوں کو اس
لئے مزانہ آیا کہ ان کی آوازیں سننے والوں کی اپنی متصورہ
آوازوں سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔

لہذا زیادہ سے زیادہ پیسہ خرچ کر کے بھی روایاتی کون مول
لے۔ پس اے عزیز ان گرامی آرزن جو بلی نمبر میں تصاویر نہیں
شائع ہوں گی۔

یہ بھی آپ ہی کی خواہشات کے اخراج میں ہے.....”
چار حضرات جو اس سکتے سے آگاہ نہیں ہو سکتا ہے اس پر شور
چاہیں، لیکن مجھے تو اکثریت ہی کا ساتھ دینا ہے۔
بچھلی کتاب کے پیشرس میں میں نے گزارش کی تھی کہ میرا
وقت بہت قیمتی ہے اور کچھ ملنے والوں کے لئے وقت کے تعین کا
تذکرہ بھی تھا۔ اس پر بے شمار خطوط موصول ہوئے ہیں۔ کچھ خفا
ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے میرے خیال کو سزا لہا ہے۔ کچھ
ایسے بھی ہیں جو روزانہ آکر بڑی دریں کپڑے رہتے ہیں لہ میں
اوقات کار کا بورڈ کب نصب کرا رہا ہوں۔
الترجم کرے میرے حال پر۔

ابن صطفیٰ

۲۰/۰۳/۱۹۷۷

پیش رس

یہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا 99 وال ناول ”تصویر کا
دشن“ ہے۔ اس کہانی میں آپ بالکل نئے انداز کا سنس
محسوں کریں گے۔ حیرت انگیز واقعات کے ساتھ شروع ہونے
والی یہ کہانی اس طرح ختم ہوتی ہے کہ کیپٹن حمید پر تو حیرتوں کے
پہاڑتی نوٹ پڑتے ہیں۔

اس کے بعد انشاء اللہ جاسوسی دنیا کا آرزن جو بلی نمبر پیش
کروں گا۔ اس سلسلے میں بے شمار جاواز موصول ہوئی ہیں۔ ایک
بات پر قریب قریب سمجھی نے زور دیا ہے کہ اسے بچھلے ”خاص
الامن“ نمبروں کی طرح با تصویر نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہر پڑھنے
والے کے ذہن میں کرداروں سے متعلق مختلف قسم کے تصورات
ہیں لہذا تصاویر میں ان سے مطابقت نہ دیکھ کر جھخڑا ہٹ ہوتی
ہے۔

بات پتے کی ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ مجھے اس کا
اندازہ اپنے ایک ریڈی یا ای ڈرائے کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ اس

پہنچے ہی محسوس کیا کہ پڑول کار قریب آگئی ہے وہ تیزی سے ایک گلی میں ہڑ گیا۔ پڑول کار آگے گلی چلی گئی۔ پھر جتنی دیر میں یوڑن لے کر اس گلی میں داخل ہوتی وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

بہر حال آصف تو موڑ سائکل ہی پر تھا۔ لیکن وہ گلی میں تیز رفتاری سے دکھا کا اور پھر جتنی دریں وہ سڑک پر پہنچتا، بھاگنے والا راگیروں کی بھیڑ میں مل کر گویا ناپید ہو چکا تھا۔ آدھے گھنٹے تک آس پاس کے علاقوں میں ہنگامہ برپا رہا۔

یہ آج کوئی نئی پات نہیں تھی۔ کسی نہ کسی سڑک پر روزانہ ہی اس کا "ٹکھوڑ" ہوتا تھا۔ بس وہ کسی بک شال پر جھپٹ پڑتا۔ ایک کتاب اٹھاتا اور اسے چیر کا چھاڑتا ہوا دوڑتا چلا جاتا۔ ابھی تک تو اسے کوئی پکونیں سکا تھا۔

اسی افراتفری چتی کہ بعض اوقات ٹریک کے حادثات ہو جاتے۔ لوگوں کی جیسیں صاف ہو جاتیں اور بعض دو کافوں سے قیقی اشیاء اٹھاتی جاتیں۔ لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ کوئی دیوانہ ہے، لیکن قانون کے محافظوں کی دور رس نگاہیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ حکمکہ پولیس کے ذمہ دار ان کا خیال تھا کہ وہ کوئی بڑا گروہ ہے جس میں ہر فن کے پیشہ در تھا۔ پیدل بھاگنے والے کا تعاقب موڑ سائکل پر..... ظاہر بات مضمکہ خیز تھی لیکن وہ بے چارہ کرتا بھی کیا۔ بھاگنے والا ایسا ہی تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی پڑول کی عی مدد سے بھاگا ہو۔

پھر جہاں اس قسم کے سائیکل انداز کے جرام کی بوچھیل رعنی ہو۔ حکمکہ سراغ بُسانی کیے نچلا بیٹھ لکتا ہے۔

اس بار تر بُغافل انپکٹر آصف کے نام لکھا تھا اور انپکٹر آصف نے وہ اڈم مچایا کہ خدا کی پناہ۔ نہ صرف سفید پوش سپاہی سارے شہر میں بکھیرا دیئے تھے بلکہ سول پولیس والوں کا بھی ناک میں دم آ گیا تھا۔ وہ جہاں بھی بیٹھتے انپکٹر آصف کی سات پتوں کو نواز کر رکھ دیتے۔ ایسے تو صفائی کلمات ایجاد کرتے کہ گوش فلک نے بھی نہ سنے ہوں۔

قریب قریب پندرہ دن سے یہ ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن ابھی تک تو اس گروہ کا ایک چوہا بھی

دھاکہ

وہیخنے والے صرف اتنا ہی دیکھ لے کر اس نے چھپنا مارا۔۔۔ اور یہ جا۔۔۔ وہ جا۔۔۔ انپکٹر آصف کی بد منیتی ہی بیخختے یہ ٹواریات اسی دوکان پر ہوئی جس کی ٹکرانی وہ خود کر رہا تھا۔ ویسے اس نے پھر تی تو بہت دکھائی تھی۔ موڑ سائکل اسٹارٹ کی تھی اور اس کا پیچھا کیا تھا۔ پیدل بھاگنے والے کا تعاقب موڑ سائکل پر..... ظاہر بات مضمکہ خیز تھی لیکن وہ بے چارہ کرتا بھی کیا۔ بھاگنے والا ایسا ہی تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی پڑول کی عی مدد سے بھاگا ہو۔ اپنے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر۔۔۔!

انپکٹر آصف خود ہی اس کیس کا انچارج بھی تھا۔ اس نے اسے تو جان لک کی بازی لگا دینی پڑی۔ چاروں طرف پولیس کی سیٹیاں نج رہی تھیں اور اسی سڑک پر ایک پڑول کار بھی حرکت میں آگئی تھی۔

سڑک پر ٹریک بھی تھا اور فٹ پاٹھوں پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ بھی بھاگنے والے نے

”دیا میں پوچھ لتا ہوں کہ ہر موڑ پر یہ اتفاق کیوں پیش آیا۔“
”یہ آپ کریں ہارڈ اسٹون سے پوچھے گا۔“

”کیا مطلب....؟“
”انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں ایسے ہنگاموں کا جائزہ لے کر انہیں مفصل پورٹ پیش کروں۔“

”فریدی کو کیا سر و کار اس سے۔“ آصف کی بد مرادج کتے کی طرح غرایا۔
”اس کا تو آپ کو علم ہی ہو گا کہ ایک استثنی صرف چڑی کا غلام... مم مطلب یہ کہ شاید ختم ہی ہو گئے تھے۔ موڑ سائیکل کو نٹ پاتھ سے لگا کر وہ ایک سگریٹ فروش کے خواہ اور!“

آصف جو رہاسمنہ بنائے اس کی بات سننا رہا تھا بھنا کر بولا۔ ”کہہ دینا کہ میں اپنے معلمات میں دخل اندازی برداشت نہ کر سکوں گا۔“

”کیا دیا سلامی دکھانا دخل اندازی ہے۔“ حمید نے نہایت ادب سے پوچھا۔
”خاموش رہو۔“ آصف نے کہا اور اپنی موڑ سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔

پھر وہ موڑ سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ حمید آگے بڑھ کر بولا۔ ”کیا آپ میرے ساتھ چائے پیا پسند کریں گے آج سردی بڑھ گئی ہے۔“
”ضرور پیوں گا۔“ آصف غرایا۔ ”میں خود چاہتا تھا کہ کچھ باقیں تم دونوں کے گوش گزار کر دوں۔“

”تو پھر آئیے..... کینین میں وہاں جیسمیں پیش گے۔“

کافے کینین اسی فٹ پاتھ سے ملختی اور قریب ہی تھا۔

آصف نے غصہ انداز میں موڑ سائیکل کی سیٹ چھوڑی اور حمید کے ساتھ اس طرح چل پا کر اس سے ایک قدم آگے ہی رہے۔ اس وقت اس پر ”سینارٹی“ پھٹی پڑ رہی تھی۔
کینین میں ایک میز بھی خالی نہ دکھائی دی۔

ہاتھ نہ لگا تھا اور تو اور وہی نہ پکڑا جائے کا جو مجرمے پازار میں کسی نہ کسی کتب فروش کے کامنے پیلی کی طرح جبچتا مارتا اور اڑ پھو ہو جاتا۔

اور آج تو خود آصف ہی کو اس سے دوچار ہوتا پڑا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ صاف تکلیف آصف پر گویا دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ اس کے غائب ہو جانے کے باوجود بھی سائیکل کا پیروں پھوٹکارا ہے۔ ایسا گلتا تھا جیسے اپنے شکار کے جسم کا ایک ایک ریشم چاروں طریقے پر جھٹکا پھر رہا ہو۔

پھر ایک جگہ اس نے موڑ سائیکل روکی اور سگریٹ کے لئے جیسیں نٹوں نے لگا۔ مگر یہ شاید ختم ہی ہو گئے تھے۔ موڑ سائیکل کو نٹ پاتھ سے لگا کر وہ ایک سگریٹ فروش کے خواہ کے قریب جا کھڑا ہوا۔ سگریٹ خریدے اور ایک نکال کر ہونٹوں میں دبایا ہی تھا کہ باہم جانب سے دیا سلامی کا شعلہ سگریٹ کی طرف بڑھا۔

فطری رو عمل کے مطابق پہلے سگریٹ سلاکا ہی چاہئے تھا۔ اس کے بعد اس نے سلامی پیش کرنے والے کی طرف نظر دھائی اور کباب ہو گیا۔
کیپن حمید اپنی تمام ترجیحی سیست مودب کھڑا تھا۔

”کیا مطلب....؟“ آصف کی زبان سے جلاہت میں بے ساخت صرف ہیں دلفاظ ادا ہو سکے ”میں اپنے کسی بھی بزرگ کو دیا سلامی نکالنے کا موقع نہیں دیتا۔ اگر کہیں آس پاس خود بھی موجود ہوں۔“ حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

”میں اسے پسند نہیں کرتا۔“

”تب تو آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب عالی.....!“

”تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو۔“ آصف پیر پیچ کر بولا۔

”عجیب اتفاق ہے۔“ حمید خندی سائنس لے کر بولا۔ ”ہر موڑ پر آپ سے ٹم بھیڑ ہوں ہے اور یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ آپ کے یہاں بیٹھنے سے صرف تین سیکنڈ پہلے میں نے سوچا کہ مجھے دیا سلامی خرید لئی چاہئے۔“

”تو آپ پر اور راست مجھ سے خانہ میں ہیں؟“
 ”میرا بیکی خیال ہے۔“ آصف نے کہا۔
 ”تو پھر میری دعوت رونہ بتیجئے۔ نیا گرہ میں بڑا عمدہ پروگرام ہے۔“
 ”خیر چلو!“ آصف ڈھنی ڈھنی آواز میں بولا۔
 پھر موڑ سائکل وہیں چھوڑ دی گئی اور وہ نیا گرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔
 حید فریدی کی لگن ڈرائیور ہاتھا۔
 وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ تھوڑی دیر بعد آصف بڑا بولایا۔ ”واقعی حریت انگریز طور پر تجزیہ رفتار ہے۔“
 ”دنکن کا جواب نہیں ہے جتاب۔“ حید بولا۔
 ”میں گاڑی کی بات نہیں کر رہا..... اس کا تذکرہ ہے جو کتابیں اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔“
 ”اوہ.....!“
 ”عجیب اتفاق ہے..... آج وہ ابی بک شال پر حلہ کر بیٹھا جس کے قریب میں بھی موجود تھا۔“
 ”اچھا.....؟“
 ”چھلاوا ہے چھلاوا..... کتاب جیٹی اور وہ گیا.....!“
 ”اور سن ہے کہ اسے چیر چھاڑ کر چینک بھی دیتا ہے۔“ حید نے کہا۔
 ”ابھی تک کی روپوٹ تو میں ہے۔“
 ”آپ نے تو آج بچشم خود دیکھا ہو گا۔“
 ”یہ کون دیکھ سکتا تھا..... میں تو آج اسے پکڑ لیتا چاہتا تھا۔“
 ”میرا خیال ہے کہ غیر متوقع طور پر سامنا ہو جانے کی بنا پر آپ نے بہت زیادہ جلد بازی سے کام لیا ہو گا۔“ حید بولا۔
 ”یہی سمجھ لو۔“

”کیا صیبت ہے؟“ حید بڑا بولایا۔ ”خالی بچھوں پر بچپن ہی ڈلواڑی ہوتی۔ خیر برہم..... یوکو ہما چلیں گے۔“
 ”نہیں! سان فرانسلکو.....!“ آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ”جو باتیں کہنا چاہتا ہوں فٹ پاٹھ پر کھڑے ہو کر بھی کہی جا سکتی ہیں۔“
 ”کم از کم چائے کی مٹھاں تو ہونی ہی چاہئے آپ کی باتیں سنتے وقت۔“
 ”تم کتنی ہی بکواس کیوں نہ کرو۔“ آصف واپسی کے لئے صدر دروازے کی طرف ہوا بولا۔ ”تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ بعض اوقات تم دونوں بے حد تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔“
 ”میں پھر عرض کروں گا کہ صرف ایک ہی کو کہئے۔ آپ اسٹرنٹ کو کوئی الزام نہیں دے سکتے۔ وہ بے چارہ تو صرف احکامات بجا لاتا ہے۔“ حید بولا۔
 ”اوڑوہ پھر فٹ پاٹھ پر نظر آئے۔“
 آصف ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلاٹانے لگا تھا۔
 ”نیا گرہ کیوں نہ چلیں۔“ حید نے کہا۔
 ”دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں نیا گرہ جاؤں گا آپ کے ساتھ..... اس سردی میں۔“
 ”موڑ سائکل بیٹھیں چھوڑ دیجئے۔ گاڑی ہے میرے ساتھ۔“
 ”نہیں مجھے جو کچھ کہنا ہے میں کیوں کہوں گا۔“
 ”آخڑا آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں جب کہ میں آپ کا اتنا احترام کرتا ہوں۔“
 ”دفعتا آصف زم لجھ میں بولا۔“ یہی تو میں بھی اکثر سوچتا ہوں۔“
 ”آپ کو سوچتا ہی پڑے گا..... یا پھر مجھے میرا قصور بتا دیجئے۔“
 ”قصور.....!“ آصف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”قصور صرف یہ ہے کہ تم ایک بد دماث اور مغرور آدمی کے ماتحت ہو اور تمہیں اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔“
 ”یہ میرا نہیں بلکہ میرے مقدار کا قصور ہے جتاب۔“
 ”ہاں..... ہاں..... یہ بھی درست ہے کسی حد تک۔“

آصف نے ایسی میر فتحب کی جونہ صرف دور افتادہ تھی بلکہ حمید کے گفتگو نظرے آس پاس کی "زرنجزی" سے بھی محروم تھی۔

پھر حمید نے کافی کا آڑ دریا ہی تھا کہ آصف بول پڑا۔ "بیرون کی بات کرتے رہے تھے تم۔"

"نباتات کے بغیر بیرونیں۔" حمید مردہ ہی آواز میں بربرا کر رہا گیا۔
لیکن پھر اسے کہنا ہی پڑا تھا۔

بیرونیں وہاں کی "خاص ڈش" بھی جاتی تھیں۔

آڑ کی تعلیم ہو جانے کے بعد آصف نے حمید کو ایسی نظر دوں سے دیکھنا شروع کیا جیسے اب اس دعوت کا مقصد بھی معلوم کرنا چاہتا ہو۔

"کیسی ہیں بیرونیں....؟" حمید نے پوچھا۔ "ہمیں آپ نے تو ابھی شروع ہی نہیں کیا۔"
"شروع کرنے سے پہلے مقصد معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"کاہے کا مقصد....؟"

"ای دعوت کا....!"

"ارے.... آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"
"وہ گفتگو تو کل پر بھی مل سکتی تھی۔"

"جی کہتا ہوں جناب۔ آپ سے جیتنا بھی مشکل ہے اور ہارنا تو ایسا ہے جیسے....!
بیرونیں مہنڈی ہو رہی ہیں۔" آصف بات کاٹ کر بولا۔ "کم سے کم الفاظ میں مقصد بیان کرو۔"

"میں متواتر چھسات دونوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا ہوں یا اس کے بارے میں بروپرنس کرن رہا ہوں؟"

"یہ کیا بکواس شروع کر دی۔" آصف بگز کر بولا۔ "کیا اس کا خیال بھی نہیں رکھ سکتے کہ میں عمر میں تم سے لکھتا رہا ہوں۔"

آپ سے فتح کر کہاں جائے گا۔ شائد وہ حمید کے اس جملے میں خلوص ٹلاش کرنے کی کوشش کرنے کا تھا۔ پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ وہ شہری آبادی کو یقیناً چھوڑ چکے تھے۔

رات سرداور تاریک تھی۔ گھر کی ہلکی سی تہہ فضاے بیطی پر مسلط تھی اور سڑک سنان۔

آصف نے پھر سگر یہ سلاکی اور ایک طویل کش لے کر دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔ "میرا سائکل پر تو واقعی شامت ہی آجائی۔ غصب کی سردی ہے۔"

"بیرونیں کھلایا کیجئے۔"

"کیا مطلب....؟"

"اُس عمر میں پرندوں کا گوشت جنت کے لئے مفید ہے۔"

"چلو بیرونیں کھاؤں گا۔"

"آپ میرے مہماں ہیں۔ کچھ بھی کھائیے۔"

جواب میں آصف کی "ہوں" معنی خیز تھی۔

پھر نیا گرہ تک پہنچنے کے دوران میں کچھ نہیں بولے تھے۔ نیا گرہ حسب دستور پوری طرح آباد تھا۔ ڈائینگ ہل میں کھڑے ہو کر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ ہوٹل شہر سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔

"ہوں۔۔۔ رک کیوں گئے؟" آصف نے حمید سے کہا، جو صدر دروازے کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔

"ذیکر رہا ہوں کوئی معقولیتی نہیں۔"

"معیار کیا ہے آپ کی معقولیت کا۔" آصف نے زہریلے نجی میں پوچھا۔

"نیز کے آس پاس جاندار اور تحرک بنا تھات ہوئی چاہئے۔"

"بے ہوگی میرے ساتھ نہیں چلے گی۔"

"تو پھر آپ ہی فتح کیجئے۔" حمید نے پھر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

دچپ کیس میرے پاس باقاعدہ طور پر نہ آئے تب بھی اس میں میری دچپی برقرار رہتی ہے اور میں اس کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ پچھلے دنوں کی بات ہے میں نے اسپنٹر ملک کو ان کے کیس کے بارے میں اگسٹ پ دی تھی کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

آصف کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے کھاتا رہا۔ کافی ختم کر کچنے کے بعد بھی اس کے ہونٹ پھنج رہے۔ غالباً وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”تم نے کتنی بار اس لڑکی کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔“

”تین بار.....!“ حمید نے جواب دیا اور پاپ سلگانے لگا۔

”تم نے یقیناً اس کا تعاقب کیا ہوگا؟“

”دوبار..... آج تو میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔“

”فریدی سے بھی تذکرہ کیا ہوگا۔“

”یقیناً..... لیکن انہوں نے ذرہ برا بر بھی دچپی ظاہر نہیں کی۔ آج کل وہ پھر لا ابیری نہیں ہو رہے ہیں۔ آفس کے اوقات کے علاوہ اور سارا وقت کتب بینی میں صرف کر رہے ہیں۔“

”بہر حال تم باقاعدہ طور پر اس لڑکی کی ٹوہ میں رہے ہو گے۔“

”میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لڑکی غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے۔“

”ظاہر ہے..... ویسے میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کو اس کے حسن سے متاثر کرنے کی کوشش کروں۔“

آصف نے اسے گھوڑ کر دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید بھی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا اور اس کے چہرے پر گھری سمجھیدگی طاری تھی۔

”دھنواہ اچھل پڑا..... اس طرح چونکئے پر آصف دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ پھر اس کی نظر دوں کا تعاقب کرتی ہوئی اس کی نگاہ اس لڑکی کی سماں بھی جا پہنچا۔

حمداد سے تحریر انداز میں دیکھے جا رہا تھا۔

”یہ لڑکی ابھی ابھی ہال میں داخل ہوئی تھی۔“

”اب تو یقیناً ٹھنڈی ہو جائیں گی بیٹریں۔“ حمید بڑا بڑا۔ پھر اوپنجی آواز میں بولا۔

”کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک لڑکی نے سارا کھیل بگاڑا تھا۔“

”کہاں کی ہاں کم رہے ہو.....!“ آصف نے ایک شیر کو فور ک سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

”خیر اگر آپ نے نہیں دیکھا تھا تو پھر اس تذکرے کی ضرورت ہی نہیں۔“ حمید نے ہمیں

فور ک سنبھالتے ہوئے کہا۔

”میں پوچھ رہا ہوں کہ کس لڑکی نے کون سا کھیل بگاڑا تھا۔“

”اب تو میں بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔“ حمید نے بہ آواز بلند سوچا۔

”کیسی دشواری.....؟“

”جب آپ کو ایک بات کا احساس ہی نہ ہو سکا تھا تو پھر میں خواہ خواہ یقین دہانی کے پھر میں کیوں پڑوں.....؟“

”صاف صاف کہو.....!“

”وہ لڑکی جو موڑ سائکل کے سامنے آئی تھی۔“

”کہاں.....؟ کب.....؟“

”یہ اس گلی کے موڑ کی بات ہے جہاں آپ نے اس دیوانے کا سراغ کھو دیا تھا۔“

”کیا تم مجھ کہہ رہے ہو۔“ آصف نے فریدی کے سے انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھنے کی ایکنگ کرتے ہوئے کہا۔

حمداد نے سر کو ابتدی جنبش دی۔

”تب تو..... مجھے سوچنے دو۔“ آصف نے پر ٹھکر انداز میں کہا اور خلاء میں گھوڑا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ کوئی لڑکی ہی نہیں..... اور میرے خدا۔“

”یہی نہیں..... بلکہ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ہمیشہ اسی لڑکی کی وجہ سے نکلا تھا ہے۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!“

”کھاتے رہے..... ورنہ بیٹریں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ جی ہاں یہ میری عادت ہے۔ کوئی

کر لیجئے۔ ہو سکتا ہے میں آپ کو گمراہ کر رہا ہوں۔“
”نبیں اسکی کوئی بات نہیں۔ میں صرف اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔“

”اوے.....!“ حمید نے لاپرواں سے شانوں کو جنت دی اور ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ مل ادا کر کے وہ اٹھ گئے۔ باہر سردی بڑھ گئی تھی۔

آصف اس دوران میں دور ہی کھڑا رہا تھا۔ لیکن پارکنگ شیڈ سے جیسے ہی باہر آئی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر حمید کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔ ”وہ بھی پارکنگ شیڈ کی طرف آرہے ہیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی کو کپڑاٹ کے چاٹک کی طرف لیتا چلا گیا۔

”تمہیں سانپ کیوں سوچ گیا ہے؟“ آصف نے کچھ دیر بعد کہا اور پھر مرکر چیچھے دیکھنے لگا۔
”کیا میں اس محاورے کی تشریح کروں؟“ حمید بولا۔

”میرا خیال ہے چیچھے آنے والی گاڑی میں وہی دونوں ہیں۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ورنہ آپ نہ جانیں کیا سوچیں۔“

آصف کچھ نہ بولا۔ راستے ہوتا رہا۔ پشت پر صرف ایک گاڑی کے ہیڈ لیپ نظر آرہے تھے۔ اس کے چیچھے دور درستک اور کوئی گاڑی نہیں تھی۔

”تو تم اس لڑکی کے ٹھکانے سے واقف ہو گے۔“ آصف نے کہا۔

”ایک عمارت سے واقف ہوں لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ وہیں رہتی بھی ہوگی۔“

”دونوں باروہ اسی عمارت میں گئی تھی۔“

”جی ہاں۔“

”تو پھر اس کے علاوہ اور کیا کہو گے وہ وہیں رہتی ہوگی۔“

”خدا جانے۔“ حمید نے بے دلی سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ اس موضوع پر گفتگونہ کرنا چاہتا ہو۔

شہر میں داخل ہو جانے کے بعد بھی وہ گاڑی ان کے چیچھے لگی رعنی اور ایک بار پھر آصف

آصف نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔ اب حمید آنکھوں میں وہی تحریر نہ تاثر لئے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیوں..... کیا بات ہے؟“ آصف نے پوچھا۔
”مجھے حرمت ہے۔“

”کس بات پر.....؟“
”کافی اور پیچھے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں تمہیں کس بات پر حرمت ہے۔“ آصف آنکھیں نکال کر بولا۔
”وہ بھی پیچنے گئی۔“

”کون.....؟“
”وہی لڑکی.....!“

”کیا بلکہ ہو۔“ آصف نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا جواب ایک خالی میز کے قریب کھڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی کو بھی کسی کا انتقال ہو۔
دھنٹا حمید آہستہ سے بولا۔ ”اس طرح نہ دیکھئے اس کی طرف۔۔۔ شام کے ہمارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہے۔“

آصف اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا جیسے مشورے کی معقولیت میں شہر رہا ہو۔ حمید سر جھکا کر بچھا ہوا پاپ سلانے لگا تھا۔

آصف بھی کبھی انکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھ لیتا۔ اب وہ تھا نہیں تھی۔ متوسط عمر کا ایک قوی یہیں آدمی بھی اس کی میز پر تھا۔

”مل ادا کر دو۔“ آصف نے حمید سے کہا۔
”کیوں..... کیا بیٹھیں گے نہیں؟“ حمید بولا۔

”جو کہہ رہا ہوں کرو۔ میں تمہارے اندر یہیش کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔“
”اچھی بات ہے۔“ حمید نے کہہ کر طویل سانس لی اور بولا۔ ”ٹھیک ہے۔ تصدیق

بچھے کا انتظام ہو گیا تھا جس کی کنجی کاؤنٹر کلر کے پاس رہتی تھی۔ یہ تبدیلی انتظامی امور کے نئے حال ہی میں ہوئی تھی۔ ورنہ پہلے گاہک بھی کاؤنٹر ہی کا فون استعمال کر لیتے تھے۔ آصف کنجی نے کر بوجھ کی طرف چلا گیا۔

اپنے کسی ماتحت کو فون پر آن دونوں کا حلیہ ذہن نشین کرانے کے بعد اس نے کہا۔ ”وس منٹ کے اندر اندر آرچجو کے گیٹ پر پہنچ جاؤ۔ میں فریدی کی لگن میں ہوں گا اور آن دونوں کی گاڑی لگن کا تعاقب کر رہی ہوگی۔“

رسیور کھکھ کروہ باہر نکلا۔ بوچھے مغل کر کے کنجی کاؤنٹر کلر کے سپرد کی اور پھر میزوں کی طرف مڑا ہی تھا کہ حمید کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔

”کمال ہو گیا۔“ قریب پہنچ کروہ بوکھلانے ہوئے لجھ میں بولا۔ ”وہ دونوں تو چلے گئے لیکن ان کا وہ نہیں بیگ۔“

آصف کی نظر آن دونوں کی میزوں کی طرف گئی۔ لڑکی کا سفید و نیٹی بیگ رکھا دکھائی دیا اور پھر قمل اس کے کوہ مڑ کر حمید سے کچھ کہتا۔ ایک زور دار دھماکہ ہوا اور وہ نیٹی بیگ کے چیخڑے اڑ گئے۔

آ بلے

دھماکے کے ساتھ ہی کئی چیزیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ میزوں کے اللئے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ لیکن کسے ہوش تھا کہ وہ آن کے اللئے کے مناظر بھی دیکھتا۔ خود آصف کے اعصاب اس دھماکے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

لوگ چیخ رہے تھے۔ اٹھ کر بھاگ رہے تھے اور دھوئیں کا جنم تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بھاگ بھی رہے تھے اور کھانس بھی رہے تھے۔

نے اپنے شبہ کی تصدیق کرنی چاہی۔

اس کے لئے انہیں گاڑی روک کر آرچجو میں داخل ہوتا پڑا تھا اور اس بار آصف نے کافی کا آرڈر دیتے ہوئے حمید سے کہا تھا۔

”تم بھی کیا یاد کرو گے۔“

”میں تو ایسے بزرگوں کو ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔“ حمید بولا۔

آصف صدر دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نیا گرا والی لڑکی یہاں بھی دکھائی دی۔ بھاری بھر کم آدمی اس کے پیچھے تھا۔

آصف نے طویل سانس لی اور پہ معنی انداز میں سر ہلانے لگا۔

”اب کیا خیال ہے....!“ حمید نے پوچھا۔

”یقین کرنا ہی بڑے گا۔“ آصف پر شویش لجھے میں بولا۔ تو یہ رود مجھے شیڈ کر رہے ہیں۔“

”میرے طرف سے اسے ٹپ ہی بھجھے۔“ حمید بولا۔ ”اب آپ مجھے اپنے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہو اسے پائیں گے۔“

”میں نے تمہاری حد تک بھی بھی نہیں خیالات نہیں رکھے۔“

”میں سمجھتا ہوں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”فریدی سے بھی کوئی ذاتی پر خاش نہیں..... بن اکڑہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ مجھے۔“

”بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ماتحت کا تو مقدار ہی بھی ہے کہ ہر قسم کی اکڑ برداشت کرتا رہے۔“

پھر حمید نے شامکڑ بردستی ہی کافی زہر مار کی تھی۔ کافی ختم کر کے اس نے کہا۔ ”چلنے آپ کو موڑ سائکل تک پہنچا دوں۔“

”ایبھی شہر و..... میں ان دونوں کی نگرانی کا انتظام تو کراؤ۔“ آصف اٹھتا ہوا بولا۔

”بھر حال اب میرا کام ختم ہو گیا..... آپ جائیں۔“

آصف کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں ان دونوں گاہوں، کے لئے الگ ٹیلی فون

”تھہاری راتیں زیادہ تر گھر سے باہر نکلی گئیں۔“

”آپ جیسوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔“

”کیا مطلب....؟“ آصف نے آنکھیں نکالیں۔

”مم..... مطلب یہ کہ..... بب..... بزرگوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔“

”آج بھی کمی۔“ آصف سر ہلا کر مسکرا دیا اور حمید طویل سانس لے کر رہا گیا۔

پھر آصف نے دوسرا سڑک سے ایک سفید پوش کاشیل کو بلا کر موڑ سائیکل اس کے حوالے کی اور دوبارہ لٹکن میں آبیٹھا۔

”چلواب کہاں چلتے ہو۔“ اس نے حمید سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

”تم نے نہیں۔“

”بھلا میں آپ کو کہاں لے جاؤ۔“

”بھی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ملکہ سراج رسمی کے لائق آفیسر اپنی راتیں کہاں

گزارتے ہیں۔“

حمدی کے چیرے پر تشویش کے آثار صاف دیکھے جاسکتے تھے۔ آصف اسے تیکھی نظر وہ سے دیکھتا ہوا دوبارہ بولا۔ ”کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔ میں تمہارے مشاغل میں خلل نہیں

ڈالوں گا۔“

”یہ بات نہیں..... آپ دراصل بوریت محسوس کریں گے۔“

”فکر نہ کرو..... چلو....!“ آصف اس کے شانے پر تھکی دے کر بولا۔

حمدی نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نچلا ہونٹ دانچوں میں دبائے اسٹرینگ کرتا رہا۔ خود اس

نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن آصف بولے جارہا تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کی اس حرکت کو کس خانے میں فٹ کروں۔“

”میں تو سب کچھ خسل خانے میں فٹ کرتا ہوں۔“ حمید بول پڑا۔

”معذکلہ اڑا رہے ہو میرا۔“

آصف کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے عمارت سے باہر نکلا تھا اور کس طرح حمید نے اسے لٹکن میں ٹھوں دیا تھا۔

گاڑی خاصی تیز رفتار سے روشن ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے تھیڑوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ کسی نہ کسی طرح آرچوں کی عمارت سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

”اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں پوچھا۔

”وہیں جہاں آپ کی موڑ سائیکل چھوڑی تھی۔“ حمید نے جواب دیا۔

”لیکن ہم وہاں سے کیوں چلے آئے۔“

”رُک ہی کر کیا کرتے؟“

”پھر بھی موقع واردات سے اس طرح بھاگ نکلا ہمارے لئے مناسب نہیں تھا۔“

”اب کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کو ہیں خیال دلانا چاہئے تھا۔“

آصف کچھ نہ بولا۔

بلال خر لٹکن وہیں آپکی بھی جہاں موڑ سائیکل کھڑی کی گئی تھی۔

”میں سوچتا ہوں موڑ سائیکل کسی کے حوالے کر کے یہ رات تھہارے ہی ساتھ گزار

دیں۔“ آصف نے کچھ سوتے ہوئے کہا اور حمید بے ساختہ اچل پڑا۔

”میرے ساتھ..... ارے جناب یہ رہیں مونچھیں..... یہ ڈاڑھی..... پینٹ اور جیکٹ میں

ہوں۔ شلوار اور جپر میں نہیں۔“

”مشت اپ.....!“ آصف حققت آمیز لمحے میں غرایا۔

”میں نہیں کچھ سکتا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔“ حمید نے بے بسی سے کہا۔

”اب تم جہاں بھی چلنا چاہو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔“

”بن گئی درگت.....!“ حمید کر اہا۔

”کیا مطلب.....?“

”ظاہر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھر جانے سے توبہ ہے۔“

پھر وہ ان خیبوں کے درمیان جا پہنچے جہاں کئی پڑو میکس لیپ روشن تھے۔ ایک جگہ بہت
بڑا جل رہا تھا جس میں لکڑی کے بڑے بڑے کندے چیڑ رہے تھے۔
کچھ لوگ الاؤ کے گرد کریساں ڈالے بیٹھے نظر آئے۔
وہ دونوں گاڑی سے نہیں آتے تھے۔ آصف نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پر معنی
آواز میں پوچھا۔ ”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“

”سب کوارے ہیں۔ آپ بے فکر ہیں۔“ حمید نے جواب دیا۔
”میری باتوں کا جواب دیتے وقت حتماً طراہ کرو۔“ آصف چھپلا کر بولا۔
حمید نیچے آتنے کے لئے دروازے کا ہینڈل گھما رہا تھا۔
محجور آصف کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر
کھڑے ہو گئے۔
”ارے.... اپنا کیپشن ہے۔“ ان میں سے کسی نے بہ آواز بلند کہا۔
اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔
”کیپشن.... ایک واردات ہو گئی ہے۔“ ان میں سے ایک بولا۔
”واردات کو جنم میں جھوکنو۔“ دوسرا کسی قدر غصیل آواز میں بولا۔ یہ صاحب جوان کے
ساتھ آئے ہیں کوارے نہیں معلوم ہوتے۔“

آصف خچلا ہوٹ کاٹ کر رہا گیا۔
”کوارے ہی ہیں۔“ حمید لاپڑائی سے بولا۔ ”کس قسم کی واردات ہوئی ہے؟“
”ایک شادی شدہ آدمی کی موجودگی میں ہم گھنکو نہیں کریں گے۔“ وہی آدمی عریا جس
نے آصف کی موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔
”یہ کیا بکواس ہے؟“ آصف حمید پر الٹ پڑا۔
”میں نے پہلے ہی آپ سے عرض کیا تھا کہ وہ جگہ آپ کے لئے مناسب نہ ہوگی۔
جہاں میں آج کل رات بر کرتا ہوں۔“

”آپ سمجھ نہیں۔ غور و فکر کے لئے غسل خانے سے بہتر اور کوئی مقام نہیں۔“
آصف ناخوشگوار لبچ میں پکھ بڑا بڑا تھا جسے حمید نہ سن سکا۔
گاڑی پھر شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔
”اب کہاں جا رہے ہو۔“ آصف نے چونک کر پوچھا۔
”حمد پکھ نہ بولا۔“

”کیا تم اونچ رہے ہو۔ میری بات کا جواب دو۔“
”سمجھ میں نہیں آتا۔ آج کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔“
”کیا مطلب....؟“
”سمی کرنے کی بجائے کوئی میں چھلانگ لگا دینا چاہئے۔“
”اخاہ.... تو جھ پر کار گزاری کا عرب ڈالا جا رہا ہے۔“
”نہیں.... انکل ڈیر.... میں تو اپنی قسمت کو رو رہا ہوں۔“
”میں پوچھ رہا ہوں تم جا کہاں رہے ہو۔“
”میں آج کل رات بھر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بر کر رہا ہوں۔ چھ ماہ سے کوئی رات
چھت کے نیچے نہیں گذاری۔“

”پھر بھی.... ہم کہاں جا رہے ہیں؟“
”وہ دیکھتے سامنے روشنی نظر آ رہی ہے۔ وہی ہے میری منزل۔“
”اوہ.... ہے تو.... یہاں اس ویرانے میں.... یہ کیا بلا ہے!“
”بے فکروں کا یک پ۔“
”کیا مطلب....؟“
”بن دیکھ لیجئے گا۔“
گاڑی پنچتہ سڑک سے کچے میں اتر رہی تھی۔
آصف پھر بڑا نے لگا تھا۔ لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیتے بغیر اسٹریک کرتا رہا۔

”وابپیں چلو۔“

”میرا خیال ہے۔“ حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ایک آدمی نے تھی سے اس کی بات ادا کر آصف سے کہا۔ ”صاحب! آپ کی بیوی مر چکی ہوت بھی ہم آپ کو برداشت کر لیں گے۔“
”کیا بیہودگی ہے۔“ آصف حمید کو چھڑا کھانے دوڑا۔

”بیقیناً آپ کی بیوی زندہ ہے ورنہ آپ بھی تمہاری ہی طرح مختنے سے دماغ والے ہوتے۔“ ایک کنوار ابوالا۔

”شش اپ.....!“ آصف نے تن کر اسے لکھا اور وہ محکمہ اڑانے والے انداز میں ہنس کر خاموش ہو رہا۔

اب وہ سب ہی خاموش کھڑے آصف کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے وہ کسی دوسرا دنیا کی مخلوق ہو۔

”بعض حالات میں اصولوں سے اگراف بھی کیا جاسکتا ہے۔“ حمید نے مخاطب کیا۔

”وہ کس قسم کے حالات ہو سکتے ہیں مسٹر کیپن.....؟“ ایک نے طرفہ بچہ میں سوال کیا۔
”فرض کر لو..... میں صرف نام کا شوہر ہوں۔“

”یوڈرٹی میٹ.....!“ آصف دانت پیس کر بربروایا۔

لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کھتارہ۔ ”کچھ لوگ والدین کے ڈری سے شادی کر لیتے ہیں..... دل سے شوہر نہیں ہوتے۔“

”تم بکواس بند نہیں کرو گے۔“ آصف نے حمید کی ٹائی پکڑ کر جھکا دیا۔

”اُنے صاحب! فقا ہونے کی ضرورت نہیں۔“ ان میں سے ایک نے آصف کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”ہم کیپن حمید کی خاطر آپ کو برداشت کرنے پر تیار ہیں۔“

پھر آصف نے سوچا کہ خواہ خواہ کو بننے سے فائدہ..... اُسے دماغ مختنہ رکھنا چاہئے۔

ورنہ یہ لوگ اُسے چیکیوں میں اڑا دیں گے۔ اس نے حمید کی ٹائی چھوڑ کر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکلا اور بُر اسامنہ بنائے ہوئے الاؤ میں پھٹکنے ہوئے کندوں کی طرف دیکھنے لگا۔

”صاحب..... غصہ بُری چیز ہے۔“ ایک کنوار اکہہ رہا تھا۔ ”لیکن شادی شدہ لوگوں کا ملہ امتیاز بند کر رہا جاتا ہے۔“

آصف کچھ نہ بولا۔ وہ سگریٹ سکارہ رہا تھا۔

پھر ان لوگوں نے حمید کے بکرے کی خیریت دریافت کی اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ان ذوں زکام میں بجلا ہے اُسے تسلیاں دیتے رہے۔

”جو شاندہ ہرگز نہ پلانا۔“ ایک بولا۔ ”زدل خلک ہو جائے گا۔“

دوسرا بولا۔ ”حکیم و حمید کو دکھا دو۔ بکروں کی نفیات کے بھی ماہر ہیں۔ ابھی حال میں یہ بکروں کی پرورش و پرداشت کے بارے میں ایک رسالہ بھی نکلا ہے۔“

”کس بے درد کا تذکرہ جھیٹ دیا تم نے۔“ تیرنے نے کہا۔ ”خیرہ مردار یہ میں مردار یہ کے علاوہ اور سب کچھ ڈلاتے ہیں۔ البتہ پیانگ شاندار ہوتا ہے۔ لہذا میرا خیال ہے کہ تم بکرے کو بہتر سے بہتر لباس پہناؤ۔ اللہ نے چاہا تو زدل رفع ہو جائے گا اور قوم بھی تمہاری اس داشمنی پر واہ واہ کرے گی۔“

آپ کی کتیا کا کیا حال ہے؟“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”مارتحا نام ہے اُس کا۔“ اُس نے بُر امان کر کہا۔

”آئی ایم سوری..... محترمہ مارتحا کے مزانج کیسے ہیں۔“

”دن رات بھوکتی رہتی ہے۔ پہنہیں کیا دکھ ہے بے چاری کو۔“

”میں کہتا ہوں میرے آر قھر.....!“ ایک نے کچھ کہنا چاہا لیکن ”مارتحا“ والا بھڑک اٹھا۔

”بل خاموش۔ اس کتے کی بات نہ کیجئے۔“

”آر قھر نام ہے۔“ وہ غریا۔

”کیوں کیپن تم نے دیکھا ہے اُس خارش زدہ کتے کو جس کا نام انہوں نے آر قھر رکھا ہے۔“

”بل بُس بہت ہو چکا۔“

”کیا کریں گے آپ۔“ دوسرے نے تھنے پھلانے۔

”مجھے اس سے پاک محبت ہے۔“ نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
 ”ایمی تک محبت تھی۔ اب پاک بھی ہو گئی۔ تو کیا کوئی ناپاک محبت بھی ہوتی ہے۔“
 نوجوان کچھ نہ بولا۔
 ”جواب دو۔“ بوڑھا غرا کر کھڑا ہو گیا۔
 ”اُرے صاحب جانے دیجئے۔“ آصف جلدی سے بول پڑا۔ ”صاحب زادے ہیں۔“
 آپ نے بھی اپنی عمر میں....!“
 ”جی نہیں۔ اگر میں نے اپنی عمر میں کچھ کیا ہوتا تو یہ ”میرے“ صاحب زادے ہوتے۔
 کہیں ہمید پلیز.... کیا آپ کسی شادی شدہ آدمی کو ہمارے کیپ میں لائے ہیں۔“
 ”یوہی مر جگی ہے۔“ حمید تر سے بولا۔
 ”شٹ اپ..... یو ایڈ بٹ.....“ آصف کوچھ غصہ آ گیا۔
 ”خدا کی قسم یہ شخص شادی شدہ معلوم ہوتا ہے اور یوہی بھی زندہ ہے۔“
 ”خاموش رہو۔“ آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ”میں بے تکلفی کا عادی نہیں۔ ہو سکتا ہے
 تم کہیں ہمید کے دوست ہو۔ لیکن میں تمہارے لئے ابھی ہوں۔“
 ”بالکل شادی شدہ۔ میں شرط لگا سکتا ہوں۔“ بوڑھا سر ہلا کر بولا۔
 ”چلو یہاں سے۔“ آصف ہمید کا بازو پکڑ کر چھبوڑتا ہوا چینا۔
 پھر وہ اسے کھینچتا ہوا خیسے سے باہر نکال لایا۔
 ”کل ہی ان مردوں سے سمجھ لوں گا۔“ وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہاپٹا ہوا بولا۔
 ”دینا کے مظلوم ترین لوگ ہیں جتاب۔“ ہمید نے انجمن اشارت کرتے ہوئے کہا۔
 ”جرائم پیشہ معلوم ہوتے ہیں۔ کل ہی سے گمراہی شروع کراتا ہوں ان کی۔“
 ”کیا ہاتھ آئے گا۔“
 ”کس کی اجازت سے انہوں نے کہیں کی ہے؟“
 ”وہ اپنی زمین پر جو کچھ جائیں کر سکتے ہیں۔ کیا آپ نے نواب مشرف کو پہچانا ہیں۔“

”اب کیا کتوں کے والدین لڑپڑیں گے آپس میں۔“ آصف نے بے حد زہر یہ لے لے
 میں کہا۔
 ”جی ہاں..... آپ سے اپنے بچے نہیں پالے جاتے۔ ہم کے پالے ہیں اور انہیں
 بہترین تربیت دیتے ہیں۔ طرزہ فرمائیے ہم پر....!“
 ””حیدم تم کتنی دریھرو گے کیا ہے؟“ آصف غریبا۔
 ”ذرا ایک صاحب کی بیلوں کی خیریت بھی دریافت کروں۔“ حیدم نے ایک خیٹے کی
 طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”آپ بھی آئیے۔“
 خیٹے میں پیٹرو میکس بل رہا تھا۔ یہاں دو آدمی نظر آئے۔ لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں
 ہوئے تھے۔ معمراً دمی سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو کچھ سمجھا رہا تھا۔
 حیدم نے پانگ دلیں ایک عدد ”سلام“ رسید کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔
 ”صاحب زادے کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ معمراً دمی نے سلام کا جواب دیئے بغیر
 نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”کب....؟“ حیدم نے مخصوصیت سے پوچھا۔
 ”بہت دنوں سے خراب تھا۔ مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔“ معمراً دمی نے جواب دیا۔
 اس نے انہیں بیٹھنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ حیدم نے خود ہی آصف کے لئے کیوں اس کی ایک
 فوٹاگ کری چیل کرتے ہوئے کہا۔ ”تشریف رکھئے۔“
 ”معمراً دمی نے آصف کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ تو اس نوجوان کو اب بھی گھورے
 جا رہا تھا۔ دفتارہ اس پر برس پڑا۔
 ”عقل کے ناخ لور خوددار..... محبت اپنا جگہ پر ایک ہمہ گیر جذبہ ہے۔ اگر شہیں ہے
 محسوس ہوتا ہے کہ تم اس لاکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تو یہ محبت ہرگز نہیں ہے بلکہ رقبت کا
 خوف ہے۔ کہیں کوئی اور نہ لے اڑے۔ اگر کوئی اور لے اڑا تو اس سے تمہاری اناکوٹھیں لے
 گی اور تم خود کشی کر لو گے۔“

”چھوٹے بچے کو بھی نماری یے گولی۔ کیا وہ بڑا ہو کر جو روز کا غلام نہ کہلائے گا۔“

”کیا تم میرے ہاتھوں پٹنا جاتے ہو۔“

”وں جوتے مار لجھے۔ لیکن اب تو یوہ بچوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔“

”مشت اپ....!“

”آپ جیسے سجادہ اور باوقار آدمیوں کو یوہ بچے بالکل سوت نہیں کرتے۔ وہ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ان پسٹر آصف آف سترل اشیٰ جنس کسی پختے منے کے باکھ لائیں۔ لا حول ولا قوہ!“
”اگر اب تم نے بکواس بندز کی تو....!“

”میں آپ کے لئے ایک عدد محظوظ بھی سہیا کر سکتا ہوں۔“

”حید میں بہت بڑی طرح پیش آؤں گا۔“ اس بار آصف نے ایسے لمحے میں کہا جس میں غصے کی جگلک تو موجود تھی لیکن یہ خواہش بھی اس سے متربع ہوتی تھی کہ وہ اس قسم کی گفتگو کئے ہی جائے۔

”انگریزی فلموں کے سراغ رسانوں کو دیکھئے۔۔۔ ایک ہاتھ میں یوں ہے تو دوسرا میں کسی چھپکی نما پر کٹی کا بازو۔۔۔ موڈرن بنئے موڈرن۔۔۔ انکل ڈیزِر ورن زندگی حال ہو جائے گی۔“
”یعنی تمہاری طرح لکھوں اور ہٹلوں میں ناجاتا پھروں۔“

”میرے خدا....؟“ دفعتاً حید چونک کر بولا۔ ”ہم آخر کیا کرتے پھر رہے ہیں۔۔۔“

”کیا مطلب....؟“

”کیا آپ اس دھماکے کو بھول گئے۔“

”نہیں۔۔۔ مجھے یاد ہے اور میں سونچ رہا ہوں کہ یہ بھی تمہاری عی شرارت تھی۔“

”میری شرارت....؟“

”یقیناً۔۔۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے پہلے ہی سے کوئی ایسی لڑکی تیار کر لکھی ہو جو میری توجہ اپنی طرف مبذول کر سکے۔“

”بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔۔۔“

”تواب مشرف۔“

”ہاں۔۔۔ شہر کا سب سے بڑا کنوارا۔“

”تو وہ بوڑھانو اب مشرف تھا۔“

”بھی ہاں۔۔۔“

”یہ کیا الغوریت پھیلا رکھی ہے اس نے۔“

”شہر کے نای گرامی کنو روں کا کلب بیانڈا ہاں میں کوئی بھی معمولی حیثیت کا نہیں ہے۔“

”تم مجھے یہاں آ لو بنا نے لائے تھے۔“

”کس طرح یقین دلاؤں کے میں آج کلیں بیہنیں رات بر کرتا ہوں۔“

”تمہارے قبلہ و کعبہ بھی تو نای گرامی کنو روں میں سے ہیں۔ وہ نہیں تشریف رکھتے یہاں۔“

”وہ شخص تو ہر معاملے میں عدم المثال ہے۔ خیر چھوڑیے۔ اب میں آپ کو بے حد

لچپ پ چکے پر لے چلوں گا۔“

”نہیں۔۔۔ مجھے گھر پہنچا دو۔“ آصف نے غصیلی آواز میں کہا۔

”بھی کمزوری ہے ازدواجی کی۔۔۔!“

”بکواس کرو گے مجھ سے۔“

”مجھے تسلیم کر آپ میرے بزرگ ہیں۔ سینٹر بھی ہیں۔ لیکن میری طرح قلندری نہیں

کر سکتے۔ میں تو کہتا ہوں یوہ بچوں کو ماریے گوئی۔“

”کبھی اپنے باپ سے بھی بھی کہو۔“

”کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مرد بنئے۔ والدہ محترمہ کی سلواتیں کان دبا کر نہ سنا سمجھے۔ لیکن

سر میں جو نہیں ہوں تو ایک آدھ کان پر بھی رینگے۔“

”یہ کھرموز رہے ہو گاڑی۔۔۔ میں گھر جاؤں گا۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔ اب تو میں آپ کو خوش کر دوں گا۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ میرے چھوٹے بچے کی طبیعت تھیں نہیں۔“

گارہا۔ اس نے ذرہ بر ابر بھی اُسے اہمیت نہیں دی تھی۔ لہذا اس سے بے خبر رہا کہ آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہوتی جا رہی ہے۔ پھر ایک ایسا مژہ بھی آیا جہاں خود اُسے ہارن دے کر اگلی ہڑی سے آگے نکل جانے کی ضرورت پیش آئی۔

اگلی گاڑی نے اپنی پوزیشن برقرار رکھتے ہوئے اُسے راستہ بھی دے دیا۔ حمید نے بڑی اختیاط سے اسٹریٹ مگ ٹھہرایا اور شاکر صرف چھاٹ کے فاصلے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنی رہا تھا کہ آصف جیخ مار کر دھڑام سے اس پر آگرا۔ اسٹریٹ مگ پر ہاتھ بہکا اور گاڑی دائیں جانب کچے میں اتر کر ایک مکان سے ٹکراتے ٹکراتے پنجی۔ بوئے بچے بریک لگے تھے۔

اس نے غیر شوری طور پر انہیں کا سوچ آف کر دیا۔ آصف ڈیش بورڈ سے سرکائیے بڑی طرح کراہ رہا تھا۔ حمید نے گاڑی کے اندر روشنی کر دی۔ ”ارے مرا..... ارے مرا..... ہاپٹل..... ہاپٹل.....!“ آصف نے بدستور سر جھکائے ہوئے جیخ کر کہا۔ اس جیخ سے تکلیف کی شدت صاف ظاہر ہوئی تھی۔

”کیا ہوا..... کیا بات ہے؟“

”آگ لگی ہوئی ہے..... پورے چہرے میں..... میں آنکھیں نہیں کھول سکتا۔“

”آخ ہوا کیا؟“

”چلو!“ وہ بدستور سر جھکائے ہوئے چینا۔

اور حمید نے اضطراری طور پر انہیں اسٹارٹ کر کے ایکسیلز ٹیزر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی جھکل کے ساتھ آگے بڑھی اور اس کا بپر سامنے والی دیوار سے ٹکرائی گیا۔ لیکن پھر بڑی پھرتی سے اس نے بریک لگائے تھے۔ ورنہ بپر کے بعد باڑی ہی کی باری ہوتی۔

ریورس گیر میں گاڑی کو ڈال کر وہ پھر سڑک تک آیا اور اب پھر گاڑی کا رخ شہر ہی کی طرف تھا۔

”ارے میرے خدا.....!“ آصف کر اہل۔ ”آگ لگی ہوئی ہے۔“ پھر وہ اپنے ذہن کو قابو

”کیونکہ یہ حیرت انگیز کیس تمہارے باس کے پر دنگیں کیا گیا۔ لہذا تم مجھے غلط راستے پر ڈالنا چاہتے ہو۔“

حمد نے تھہہ لگایا اور بولا۔ ”جس پوچھتے تو میں جسی سوچ زہا تھا کہ آپ فوری طوف پر اسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔“

”کیا میں غلط کہ رہا ہوں؟“ آصف نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔

”شام میں فی الحال آپ کی غلط فہمی رفع نہ کر سکوں۔“

”لوغٹے ہو..... یہ انداز گفتگو مجھے مطمئن نہیں کر سکتا۔“

”اچھا جتاب.....!“ حمید طویل سانس لے کر رہا گیا۔

گاڑی شہری آبادی کے قریب ہوتی رہی۔

حمد نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”اکل ڈیزر..... میں واپسی براہمی ہوں۔ مجھے کیا ضرورت تھی آپ سے تذکرہ کرنے کی۔“

”بات نہ بناؤ..... میں ایک ایک کو دکھلوں گا۔“

”تو پھر میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔“

”ہاں.....!“ آصف کی غراہت حمید کو بھی شاکر گرماں گذری تھی اور اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھی۔

حمد نے گاڑی دوسری طرف سڑک پر موز دی۔ سڑک سنان تھی۔ دور دور تک سڑیک کا پتہ نہیں تھا۔ یہ سڑک ایسی بستی سے گذرتی تھی جہاں متون طبقے کے لوگ آباد تھے۔

وختا حمید نے عقب نما آئینے میں ٹیز تھم کی روشنی دیکھی اور اس کی آنکھیں پتندھیا نے لگیں۔ گاڑی کی پوزیشن بھی ساتھ ہی تبدیل کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ بچھے آنے والی اس تیز رفتار گاڑی کو راستہ دینا چاہتا تھا جس کے ہیئت لیپس کی روشنی نے عقب نما آئینے کے ذریعہ اس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کی تھی۔

گاڑی قریب سے گذر کر بالکل اس کے سامنے آگئی۔ لیکن بے خیال میں اس کے پیچے

میں رکھنے سے عاری نہ آنے لگا تھا۔ کچھ اپنے شایستہ Selahat ke ذمیل کیسے... جملہ
بدولت... تیری بدولت... ہائے شاکر میں اپنی آنکھیں بھی کھو بیٹھا ہوں۔“

”آصف صاحب... جناب مجھے بتائیے... لکب... کیا بات ہے؟“ حمید بوكلا گیا۔
”جلد سے جلد... ہاپھل... ہائے!“

حمد نے رفتار بڑھا لی۔ اب زیادہ تر سر کیس قریب سنبان عی ہو چکی تھیں۔ اس
لئے حمید کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لکن فرانے بھر رہی تھی۔

”اوہ... کیا تم بھی محیری موت چاہتے ہو؟“ آصف کچھ دری بعد چھا۔

”ہرامکانی کوش کر رہا ہوں جناب۔“ حمید نے کہا۔

”جلدی... جلدی... جلدی...!“

”جادوئی اڑن قائم لاؤں آپ کے لئے۔“ حمید جنم جلا گیا۔

”میں تمہیں جان سے مار دوں گا... ذمیل... خاموش رہو۔“

”آصف صاحب بہت ہو چکا... اب زبان کو قابو میں رکھئے۔“

آصف کی زبان سے پھر مخالفات کا طوفان امنڈ پڑا۔

حمد تحریر تھا۔ آصف کا اس حدک جانا بھی غیر معمولی عی بات تھی۔ اس سے پہلے بھی ایسا
نہیں ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز ذمیلی پڑتی گئی اور پھر وہ بالکل عی خاموش ہو گیا۔

اور پھر سول بیتال بیٹھ کر تو حمید کے پیروں تسلی سے زمین عی نکل گئی۔ آصف کا چہرہ
چھوٹے بڑے آبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر مکمل بے ہوٹی طاری تھی۔

ڈیڈی

کرتل فریدی کیپن حمید کو قہر آلو نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید بھی اس کی طرف دیکھتا اور

بھی اس کی نظریوں کی تاب نہ لا کر آنکھیں چڑھنے لگتا۔

”تم سے کس نے کہا تھا کہ آصف کے لئے اطلاعات فراہم کرو۔“ بلا خود گیبھر آواز
میں بولا۔

”لکب... کسی نے بھی نہیں۔“

”کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس کے معاملات میں غل اندازی کرو۔“
”نہیں تو...!“

”تو پھر...?“

”تم یہ سب کچھ کیوں کر گزرنے؟“

”بب... بس یونہی۔“

”لوگ کہہ رہے ہیں کہ آصف میری کی سازش کے تحت اس حال کو پینچا ہے۔“

”آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ لوگوں سے ہمیں کیا سروکار... اُن لوگوں کا داماد تو بننا نہیں
ہے ہمیں کہ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

”شش اپ...!“

”اوے باس...!“ حمید نے اسامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

فریدی کے چہرے پر درشتی کے آثار تھے۔ دوسری طرف منہ پھیر کر اس نے بجھا ہوا سارے
سلکایا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا کسی خیال میں الجھ کر رہا گیا۔

آہستہ آہستہ درشتی کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے۔ حمید بھی ہمیں سے اسے دیکھتا رہا
اور جب یقین ہو گیا کہ اب اس کا ذہن کسی اور معاملے میں الجھ گیا ہے تو اس نے زیر لب کچھ
گلگلتے ہوئے اپنے پاپ میں تباہ کو بھرنا شروع کیا۔

اور پھر جب وہ پاپ سلکا رہا تھا فریدی اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”کیا آج تم آصف کو دیکھنے کے تھے؟“

”نہیں... بھی نہیں جاسکا۔“ حمید بولا۔

”چھرے کے آبلوں نے گہری نیلی رنگیت اختیار کر لی ہے اور ایک آنکھ سے وہ قطبی نہر دیکھ لے۔“

”میری بھجھ میں نہیں آتا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔“

”قصور....! فریدی اُسے گھور کر رہ گیا۔“

”شہر میں کچھ غیر معمولی نوار دیا تھیں ہورہی تھیں۔ کیا میری تشویش غیر فطری تھی۔ میں نے ان چیزوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیں جن کا علم آصف کو بھی نہیں تھا۔ پھر اگر میں نے اُسے آگاہ کر دیا تو اس میں کیا برائی تھی۔“

”اگر ایک بڑی بھی ان معلومات میں شامل نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ تم بڑی بے تعلقی سے اپنی راہ لگتے۔“

”چلنے بھی سمجھی۔“

”تعلیم کریو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔“ حید نے طویل سانس لی۔

”اور کیا جانتے ہو اس کیس کے بارے میں؟“ فریدی نے کسی قدر بخوبی لبھ میں سوال کیا۔

”ولیکیاں.... لڑکیوں....!“

”مشٹ اپ....!“

حمدی نے شانوں کو جنبش دی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

فریدی تھوڑی دری بعد بولا۔ ”اس کیس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی مصنف کی ایک کتاب کا مخصوص ایڈیشن بک اسالوں پر سے اخھاتا پھر رہا ہے۔“

”تمہیں....!“ حید کے لبھ میں بے اعتباری تھی۔

”صرف ایک کتاب..... مجھے حیرت ہے کہ آصف نے اسی پر دھیان نہیں دیا۔“

”تو آپ پہلے ہی سے اس کیس میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔“

”ہرگز نہیں۔“ میں نے اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

”تو پھر....!“

”پچھلے دو دنوں سے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہے۔ وہ بھی تمہاری وجہ سے نہ تم اپنی نامگ اڑاتے اور نہ مجھے اپنی موجودہ صروفیات ترک کرنی پڑتی۔“

”تو وہ ایک کتاب ہے۔“

”ہاں..... جرال الدا آر تھر کی کتاب ”سلور بلٹ“ کا پہلا ایڈیشن..... جس کے سرورق پر ایک بوڑھی عورت کی تصویر ہے اور ایک لاش کی..... عورت کے ہاتھ میں پستول ہے۔“

”لیکن آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے کہ وہ ابھی تک صرف ایک ہی مصنف کی کوئی مخصوص کتاب اخھاتا آ رہا ہے۔“

”اُم کھیں کھلی رکھ کر کام کیا جائے تو اہم ترین نکتے فوراً ہی سامنے آ جاتے ہیں۔ میں

بنے ان سارے بک سلزر سے رابط قائم کیا جن کے اسالوں پر واقعات پیش آئیے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا کر وہ ایک کتاب اخھائی جاتی رہی۔“

فریدی نے میز کی ایک دروازے ایک کتاب نکال کر حمید کے سامنے ڈال دی۔

”سلور بلٹ“ جرال الدا آر تھر کی نازہ ترین کتاب تھی۔ سرورق خوبصورت تھا۔ پیش مظہر میں

ایک بوڑھی عورت کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور پیش مظہر میں ایک آدمی اوندھا

گرتا نظر آ رہا تھا۔ جس کے نیچے خون پھیلا ہوا تھا اور ایک دروازہ..... دروازے کے باہر کافی

فاصلے پر ایک دھندا سا یہ..... حمید اسے یونہی بے خلائی شیش دیکھتا رہا پھر ایک طرف سر کاتا ہوا

بولا۔ ”گٹ اپ خاصا اچھا ہے۔“

”ابھی تک ایک بک سلزر ایسا نہیں ملا جس نے اس کتاب کے علاوہ کسی اور کسے

بارے میں اخھایا جانا بتایا ہو۔“

”صرف ایک کاپی؟“

”ضروری نہیں..... ایک دوکان پر تسلی اوپر وس کا پیاس رکھی ہوئی تھیں اور اس نے ساری

عن ایٹھائی لے جانے کی کوشش کی تھی۔“

کہیں پھینک دیتا ہے۔“

”میں یقین کرنے پر تیار نہیں۔“ حمید برا سامنہ بنا کر بولا۔

”اس کی وجہ بند اقبال؟“

”آپ شروع سے تو اس کیس کو دیکھتے نہیں رہے۔ پھر وہ تفصیلات کہاں اسے ہاتھ لگیں جن کی طرف آصف نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔“

”اپنے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔“

حمد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ”پھر بھی کیا بات نبی اس تصویر میں کیا رکھا ہے۔“

”بھی تو دیکھا ہے۔“

”آپ ہی دیکھیں گے۔“

”قطعی..... باضابط طور پر نہ کیجے سکا تو خی طور پر دیکھنا پڑنے گا۔ شاہد تم نے ساتھیوں کی چہ میگوئیاں نہیں سنی۔“

”کپسی چہ میگوئیاں.....؟“

”سب کا یہی خیال ہے کہ آصف میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے اور خود آصف بھی یہی سوچ رہا ہے۔“

حمد کچھ نہ بولا۔ وہ راکھ دان میں پاپ جلا ہوا تمبا کو جھاڑ رہا تھا۔

تحوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔ ”لیکن یہ سب کچھ بے حد مصلحہ خیز معلوم ہوتا ہے۔“

”مصلحہ خیز کیوں؟“

”ہوشی والا دھماکہ..... اور آصف کے ساتھ یہ حرکت..... کیا یہ غیر ضروری اور بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔“

حمد کچھ نہ بولا۔ اس نے خود بھی کئی بار یہی سوچا تھا۔ آخردھماک کیوں؟ کیا مقصد تھا اس کا..... اور پھر آصف کے چہرے پر کوئی زہریلا مادہ پھینکا گیا۔ آخر کیوں؟ اگر وہ اتنے ہی

”اور آصف اس بات کو نظر انداز کر گیا تھا۔“

”جب کوئی خاص نظر یہ قائم کر لیا جائے تو پھر اسی سے متعلق تفاصیل پر نظر رہتی ہے کسی اور جانب خیال جاتا ہی نہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

ان وارداتوں سے متعلق عام نظر یہ ہی تو ہے تاکہ چوروں اور گروہ کوں کا بہت بڑا گروہ اس حرکت کے سہارے اپنا کام کر جاتا ہے..... کتاب اٹھا کر بھاگنے والے کی وجہ سے افراتقری پیشی ہے اور لوگوں کی جیسیں کٹ جاتی ہیں۔ دو کانوں دے قسمی اشیاء غائب ہو جاتی ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ آصف بھی یہی نظر یہ رکھتا ہے۔“ حمید بولا۔

”دفعتا فون کی گھنٹی بھی اور فریدی نے رسیور اٹھایا۔ دوسرا طرف سے بولنے والے کی بات وہ غالباً گھری توجہ سے سن رہا تھا کیونکہ اس کی پیشانی پر سلومن ابھر آئی تھیں۔ خود اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ صرف ”ہوں..... ہوں“ کرتا جا رہا تھا۔“

پھر رسیدور کر کر اس نے ایک طیل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔

”وہ صرف اس تصویر کا رسیور معلوم ہوتا ہے۔“

”کون..... کس تصویر کا رسیور؟“

”کیا تم اونچھ رہے ہو....!“

”مہیں تو۔“

فریدی چند لمحے ابے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”اکھی ہم اس آدمی ہی کے متعلق تو گفتگو کرنے رہے تھے جو بک اشاؤں سے کتابیں لے بھاگتا ہے۔“

”جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔“

”یہ تصویر.....!“ فریدی نے کتاب کے سروق کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید چوک پڑا۔

”تازہ ترین اطلاع ہے کہ وہ صرف یہ تصویر چھاڑ لے جاتا ہے اور کتاب راستے ہی میں

جیا لے ہیں تو پھر فائز عی کر دینے میں کیا دشواری تھی ان لوگوں کو یہ سائنس بر لگے ہوئے
ریوالور سے گولی بھی اسی آسانی کے باتھ چلا سکتے تھے جس طرح زہریا مادہ پھینکا گیا۔
”کیا سوچنے لگے؟“ دفتار فریدی بولا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ...“
فریدی سگار سلاگانے لگا تھا۔ حمید اسے بخوبی دیکھتا رہا۔ نظریں میں تو خلک لبھ میں بولا۔
”اس لڑکی کے بارے میں تھا را کیا خیال ہے؟“

”آنکھیں ذرا کچھ اور بڑی ہوتیں تو غصب کی چیز تھی۔“
”دماغ تو نہیں چل گیا۔“ فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔

”کیوں.....؟“
”لکواں مت کرو۔“

”کیا میں نے کوئی غلط بات کہر دی۔“
”تم اس قابل ہی نہیں ہو کر تم سے بات کی جائے۔“

”اچھا صاحب۔ وہ لڑکی نہیں میدے کی بوری ہے۔“ حمید نے مختنڈی سانپ لی۔
”فہر۔“ ہٹھیا اپ۔ شکرخنے سے باہر نکل جاؤ۔“

حمد نے اب تک دماغ مختنڈا رکھا تھا لیکن فریدی کے لبھنے اُسے بھی بھتا جانے پر
محور کر دیا۔ لہذا نکل آیا کہرے پرے باہر اور جب کپڑا مٹ کے چالک سے باہر نکلا تو انکن کی
بجائے اس گاڑی کے اسٹرینگ پر ہاتھ تھے جس کے زنگ اور نمبر حصہ ضرورت و قیمتی
تبديل ہوتے رہتے تھے۔

ذہن میں کوئی خاص ایکم نہیں تھی۔ ویسے سوچ کر بھی نکلا تھا کہ آج کچھ نہ کر گزنا ہے۔
آصف کو چیل آنے والے حادثے کے بعد کی تیری رات تھی اور اُس کے بعد میں اس
لڑکی کا سراغ نہیں ملا تھا۔ جن جگہوں پر چمد اسے پہلے دیکھ چکا تھا وہاں پھر نہ کھائی دی۔ لڑکی
کے ساتھ جو آدمی حادثے والی براٹ کو نظر آیا تھا اس کا بھی کہیں پتہ نہ تھا۔

اس نے فریدی کو وہ مقامات بتا دیے تھے جہاں جہاں وہ لڑکی دیکھی گئی تھی۔ اقا مسی
عمرت کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔ لیکن یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ حق تھا وہیں
بھتی بھی ہوگی۔ بس یونہی اندازہ تھا۔

بہر حال فریدی نے اس سلسلے میں کیا کیا تھا اس کا علم اُسے نہیں تھا۔ ویسے اس وقت کی
گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ فریدی لڑکی کے معاملے میں کوئی واضح رائے نہیں رکھتا تھا
پھر کسی قسم کے شہبے میں بتلا ہو۔

خود حمید کو بھی ان معاملات میں لڑکی کی موجودگی کچھ عجیب سی لگتی رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا
جیسے وہ پولیس کی راہ میں رکاوٹ بننے کے علاوہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے رہنے کی کوشش
کرنی رہی ہو۔ حمید نے کئی بار محضوں کیا تھا جیسے لڑکی اس سے بھی باخبر ہو کر کوئی اس کا تعاقب
کر رہا ہے۔

ہوٹل والا دھماکہ اسی بات کا غماز تھا کہ وہ پولیس کو کسی قسم کی دھمکی دینا چاہتے تھے اور اس
کیونکہ دھماکے کے بعد ہوٹل سے کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی تھی جس سے دھماکے کا کوئی مقصد
سامنے آسکتا۔

آصف کے چہرے پر زہریا مادہ پھینکے جانے کا مقصد بھی ظاہر تھا۔
”دھمکی..... پولیس کو دھمکی۔“

پھر کرنا کیا چاہئے۔ حمید کے ذہن کو یہ سوال بڑی دری سے ڈس رہا تھا۔ اس لڑکی یا اس
کے ساتھی کو کہاں تلاش کیا جائے۔
وہ دونوں اُسے یقینی طور پر پہچانتے تھے ورنہ اس کا تعاقب کیوں کرتے۔ لیکن یقین کے
ساتھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ پہلے ہی سے پہچانتے تھے یا آصف کی وساطت سے پہچانا تھا۔

اُسے وہ تجویش یاد آئی جب آصف پر زہریا مادہ پھینکا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ اس کے
چہرے کو بھی داغدار بنا سکتا تھا۔ اتفاق ہی تو تھا کہ صرف آصف ہی کا چہرہ اس کی زد پر آیا۔
اتفاق..... اس نے طویل سانس لی اور اسی لفظ ”اتفاق“ کے تحت اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ

عجیب بات تھی کہ سب سے پہلے اس لڑکی پر نظر پڑی..... وہ ایک میز پر تھا تھی اور اس کے قریب کی تین میزیں خالی تھیں۔ حید نے ان میں سے ایک کو منتخب کیا اور اپنی نشست کی پوزشن کچھ ایسی رکھی کہ لڑکی کی پشت اسی کی طرف رہے۔
وہ خاموش بیٹھی تھی۔

حید سونپنے لگا کہ وہ یا تو بہت دلیر ہے یا پھر خود کو کسی قسم کے شےے سے بالاتر بھجھتی ہے۔
درنہ اس دھماکے اور آصف کی درگت کے بعد اسی طرح آزادانہ سے پول میں نہ بیٹھ سکتی۔
وہ بے تعقیل اندراز میں بیٹھا رہا..... پھر ٹھیک نوع ج کر پانچ منٹ پر ایک آدمی لڑکی کی میز کی جانب بڑھتا نظر آیا۔ یہ لگڑا تھا..... دائیں بغل کے نیچے بیساکھی تھی۔ پوشش اور صحت کے اعتبار سے کھاتا پیتا آدمی مسلمان ہوتا تھا۔ عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہو گئی۔
لڑکی نے اٹھ کر اسے بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

”میں بہت تحکم گیا ہوں.....!“ اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔
”کیا مجھے اس پر انہمار افسوس کرنا چاہئے۔“

حید نے لگڑے کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھئے۔ جو دوسرے عی لمحے میں غالب بھی ہو گئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔ ”انہمار افسوس کرنے والے تو بہت ہیں۔ تم تو بس مسکراتی رہا کرو۔“

”کل سے ہم یہاں نہیں ملیں گے۔“

”کیوں.....؟“

”بس یونہی..... پاپا جلد جلد اپنی زندگی میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ دو ماہ سے زیادہ کسی مکان میں نہیں رہتے۔“

”پاپا.....؟“ لگڑے نے طویل سانس لی۔

”پاپا کے نام پر تم بھیشہ براسامنہ ہتھتے ہو۔“

”نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“

Scanned by iqbalmt

دیا اور ذہن کو آزاد چھوڑ دینے کا تجھے یہ لکھا کہ ”اتفاقات“ کے بے شمار وقوع پے درپے یاد آتے چلے گئے اور یادداشتوں کے اسی ریلے میں ایک چھوپش ذہن کی سطح پر چکٹ اٹھی۔
اب اس وقت اس کی بڑی اہمیت تھی..... ورنہ پہلے تو اس کا شمار ضمیمات میں ہی ہوتا۔
ان دونوں جب وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا ایک رات اس نے اسے کسی سے فون پر گفتگو کرتے سن گھا۔

کچھ ہی دیر پہلے اس رات بھی کتاب والا ہنگامہ ہو چکا تھا۔ حید نے اسے ان لوگوں کی راہ روکتے بھی دیکھا تھا جنہوں نے اس دیوانے کو پکونے کی کوشش کی تھی۔

اس کے بعد وہ اس کا تعاقب کرتا ہوا سے پول تک گیا تھا۔ لڑکی اس رات تھا ایسی۔
اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر سے کسی کوفون کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ ہر رات نوبجے سے پول میں ضرور ہوتی ہے۔

حید نے سوچا اگر وہ ہر رات نوبجے سے پول میں موجود ہوتی ہے تو پھر اسے دہیں کیوں نہ دیکھا جائے۔

اہم نوبجے میں میں منت باتی تھے..... دس منت میں وہ سے پول تک پہنچ سکتا تھا۔
اس نے اپنی کوٹ کی جیسیں ٹولیں..... اپر ٹرک والا ریڈی میڈ میک اپ ایک جیب میں موجود تھا۔

دو چھوٹے چھوٹے اپر ٹرک تھے۔ جنہیں نہتوں میں فٹ کر لینے سے نہ صرف ناک کی نوک اور اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ بھی اس طرح کھل جاتا تھا کہ سامنے کے دو دانت دکھائی دینے لگتے تھے۔ اگر ایسے میں وہ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک بھی لگایتا تو دن رات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے تک اسے پہچان نہیں سکتے تھے۔

سے پہلے کے قریب چھنٹے چھنچتے وہ دونوں اپر ٹرک نہتوں میں فکس کر لئے گئے اور حید کی شکل حیرت انگیز طور پر تبدیل ہو گئی۔

پھر وہ سے پول کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔

”مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔“ لڑکی پھر بولی۔
 لٹکڑا کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں بھی گلی تھیں۔
 لڑکی اب اس ویژے سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی جو ان کی میرزا کے قریب ہاتھ
 پاندھے بھکا کھڑا تھا۔
 لٹکڑے نے روپالی کاں کر دیے انداز میں آنکھیں خلک کیں جیسے یونہی بے وجہ اُن
 میں نبھیں آگئی ہو۔
 ویر رخصت ہو گیا اور حمید کو اپنی میرا اٹھنڈ کرنے والوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ رات کا
 کھانا ابھی نہیں کھایا تھا لیکن کھانے کے لئے آرڈر بلیں کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پسند نہیں وہ دونوں
 کب اٹھ جاتے اور زوہ کھانا چھوڑ کر ان کے سچھنے دوڑ سکتا۔ لہذا کافی اور سینڈوچ ہی پر تقاضت
 کرنی پڑی۔ یہ چیز دوسری میز والوں کے آرڈر کی قابل ہونے سے پہلے ہی آگئی۔ ان دونوں
 کے لئے غالباً کھانا آرہا تھا۔
 حمید نے اپنے دیڑھ کے توسط سے ایک پیکٹ سگریٹ بھی منگوالیا تھا۔ کیونکہ اس میں اپ
 میں وہ احتیاط پاپنگ نہیں استعمال کرنا چاہتا تھا۔
 ”تم خاموش کیوں ہو گئے؟“ بُڑی لٹکڑے نے سے کہہ رہی تھی۔ ”میں کیا بتاؤں جب بھی
 تمہارا سامنا ہوتا ہے میں اپنے اعصاب کو قابو میں نہیں رکھ سکتی۔“
 ”ٹھیک ہے۔ میں کچھ نہ کہوں گا۔“ لٹکڑا بھراں ہوئی آواز میں بولا۔
 ”لیکن تمہیں اداں بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔ اچھا ہبھو۔!“
 لٹکڑے کے ہونتوں پر بے جان سی مسکراہٹ نظر آئی۔
 ”یوں نہیں۔“ بُڑی بولی۔ ”مجھے زندگی سے بھر پور مسکراہٹ چاہئے۔“
 ”زندگی۔!“ وہ خندی سانس لے کر رہا گیا۔
 ”میں کہتی ہوں اب جلدی سے موڈ ٹھیک کرو۔ ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔“
 ”میرا اسٹر چکر اہا ہے۔۔۔ ذرا اٹھر ہو۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”بالکل یہی ہے۔۔۔ مجھے بتاؤ۔۔۔ آختمہیں ان کا تذکرہ کیوں گوازہ نہیں۔“
 ”میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔“
 ”اگر وہ نہیں چاہتے کہ میں تم سے طوں بتاؤ کیا۔۔۔؟“
 ”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو روہی۔“
 ”میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا اور تم کیا نہلے۔“
 ”میرے خدا میں کیا کروں۔“ لٹکڑا اذنوں ہاتھوں سے سرخاہم کر زہ گیا۔
 ”سنجیدگی سے سنو۔“ لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ورنہ تم میں
 کیا رکھا ہے۔۔۔ اب تو یہ میسا کھی دن رات میرے ذہن میں کھٹ کھٹ کرتی رہتی ہے۔ صرف
 دو ماہ پہلے ہم ملے تھے اور کیا سے کیا ہو گیا۔“
 ”روحی۔۔۔ خدا کے لئے!“ لٹکڑے کی آواز بھرا گئی۔
 ”جب باتی بننے کی ضرورت نہیں۔“ بُڑی کہتی رہی۔ ”تم خود سوچوں کوئی عورت تمہیں چاہ
 سکتی ہے۔“
 ”تم آخ کہنا کیا چاہتی ہو۔ خدا را مجھے بتاؤ۔“
 ”میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔۔۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔“
 ”لیکن میں تمہارے پاپا کے دربار میں حاضری دیا کروں۔“ اس بار اس کے لمحے میں
 نرمی نہیں تھی۔
 ”میں چاہتی ہوں کہ تم ان سے ملو۔“
 ”آخ کیوں؟“
 ”اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔“ یک بیک بُڑی کہ جب باتی انداز میں بولی۔
 حمید نے باسیں آنکھ دبا کر سرہلا یا۔
 لٹکڑے کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ کچھ خجالت تھی اور کچھ ایسے تاثرات تھے
 نوری طور پر قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

آواز بھی سن تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور وہ سہبے ہوئے انداز میں کبھی لڑکی کی طرف دیکھتا اور کبھی صدر دروازہ کی طرف۔

جھگڑا

صدر دروازے میں ایک اچھے تن تو ش کا بھاری بھر کم آدمی نظر آیا اور یہ آدمی جب کچھ صدر دروازے کے سامنے آئے پہچان بھی لیا۔ یہ وہی تھا جو دھماکے والی رات کو اسی لڑکی کے اور قریب آیا تو حمید نے اسے پہچان بھی لیا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے لڑکی پر اس کی نظر اچاک پڑی ہو۔ وہ ٹھنکا بھی تھا اور پھر تو تیر کی طرح آیا تھا ان دونوں کی میری طرف۔

لڑکی کھڑی ہو گئی تھی۔ نہ سونظر آرہی تھی اور لگڑا اسر جھکائے ہوئی طرح ہاتھ پر رہا تھا۔

”کیا یہ خص اتفاق ہے۔“ دفتارہ غرایا۔

”وہ..... وہ..... ذیہی..... یہ تو..... یہ تو..... یہ تو قریب صاحب ہیں۔“ بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”کیوں ذیہی..... کیوں؟“

”باؤر جوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا قابل فخر بات ہے؟“ اسکے ذیہی کی آنکھیں کل پڑیں۔

”باؤر پچی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ذیہی۔ آپ بھول گئے۔“ بیگم نصیر نے تعارف کرایا تھا۔ آپ تو شر کے بڑے رئیسوں میں سے ہیں۔“

”اوہ.....!“ وہ اسے گھوٹا رہا۔

”کتنے امراض لاحق ہیں تمہیں..... سوچتی ہوں تو خود پر غصہ آتا ہے۔ یہ کیا کرنیں ہوں۔ آج اگر میرے نصف درجن خواہش مندوں کو معلوم ہو جانے کے لئے ایک لگڑا سے محبت کی ہے تو وہ میرا مختلط لاڑاکا کر مجھے خود کشی پر مجبور کر دیں۔“

”مجھے اڑام نہ دو۔“ لگڑا نے کھسپا کر کہا۔ ”تم خود ہی آئی تھیں میری طرف۔۔۔ میں تو جو گات بھی نہ کر سکتا۔“

”میرا زہن بھی عجیب ہے۔“ لڑکی پس کر بولی۔ ”پہلے میں تمہاری اس صلاحیت کی بہت بڑی تدریاں تھیں کہ تم مرغ اچھا پا کر سکتے ہو۔۔۔ پھر یہ تصور بیدا ہوا کہ تم دنیا میں واحد شخص ہو جے مرغ اچھا پا کر سکتے ہے۔ پھر میں تم سے محبت کرنے لگی۔“

”ہاں..... ہاں..... میرا دعویٰ ہے۔“ لگڑا اکڑ کر بولا۔ ”ساری دنیا میں مجھ سے بہتر مرد اور کوئی نہیں پا سکتا۔“

”غائبًا..... بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھام نے۔“

”ہاں..... مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔“ لگڑا اٹویل سانس لے کر بولا۔ ”جب ہم پہلی بار ملے تھے تم اور تمہارے ذیہی بیگم نصیر کے یہاں مدعا تھے اور بیگم فیری خنچھے ہے اپنے دعا کی تھی کہ مرغ میں اپنی بگرانی میں تیار کراؤ۔ مرغ تھیں نبے حد اچھا گا تھا۔ تم نے کھانے کی میز پر اس کی تعریف کی تھی اور بیگم نصیر نے ہمارا تعارف کر دیا تھا۔“

”کیا خیال ہے..... کیا تھا وہ دن.....؟“ لڑکی نے چک کر پوچھا۔

”میرے لئے خوش نصیبی کا پیا بر تھا وہ دن۔ میں وہ لمحات بھی نہ بھلا سکوں گا جب تم میرے پکائے ہوئے مرغ کی تعریف کر رہی تھیں۔“

”لیکن تم مجھے ترکیب نہیں بتاؤ گے۔“

”محض ترکیب سے کچھ نہیں ہوتا۔“

”دفعتی لڑکی اچھی کریں۔“ اربے ذیہی۔

”کہ..... کہاں.....؟“ لگڑا بھی یوکھلا گیا تھا اور حمید نے اس کی بیساکھی گرنے کی

”اب تو میں اسے اپنی بندیبی ہی سمجھوں گا کہ تمہارے ڈیڑی سے پہلے کیوں نہ ملا۔“

”کیوں.....؟“

”یہ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔“

”تم نے پہلے بُرا کیوں سمجھا تھا۔“

”بیگم نصیر کے یہاں تعارف ہونے کے بعد سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس سے قبل کبھی اس طرح ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور بیگم نصیر کے یہاں تو میں نے ان کے بارے میں بہت بڑی رائے قائم کی تھی۔ اچھا تم ہی بتاؤ کتنا خشک لبھے معلوم ہوتا ہے ان کا۔ چھرے پر کتنی سختی ہے۔ بیگم نصیر کے یہاں ہماری ملاقات صرف مصافحہ ہی تک محدود رہی تھی۔ بہر حال ایسے حالات میں ان سے دوبارہ ملنے کا حوصلہ کیونکر ہوتا۔“

”خیر..... خیر..... چھوڑو..... اب تو تم نے دیکھ لیا۔“

”دیکھ لیا..... اور اب مطمئن ہوں۔“

”اب آیا کرو گے ہمارے گھر.....!“

”ضرور..... ضرور..... کہو تو وہیں ڈیرا ڈال دوں۔“

”تو قیر.....!“ لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لبھے میں کہا۔ ”لیکن دوسروں کے سامنے یہ کبھی نہ ظاہر ہونے دینا کہ ہمارے درمیان دوستی سے زیادہ کوئی اور چیز موجود ہے۔“

”کیوں.....؟“

”تمہارا لنگڑا اپنے مجھے معکلہ خیز بنا دے گا۔ وہ لوگ میرا نماق اڑائیں گے۔ جو میرا دل نہیں جیت سکے۔“

حمد نے لنگڑے کے چھرے پر گھر اٹھکالا دیکھا۔

حمد سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔

کچھا دیر بعد لڑکی نے لنگڑے کو خاطب کیا۔

”تم کچھا دا اس سے نظر آ رہے ہو..... کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔“

”آپ ہمارے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔“ لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

”اوہ..... اچھا..... اچھا.....!“ اس نے کہا اور بیٹھ گیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا مجھے وہ اپنے روئے پر شرم نہ ہو۔

لنگڑا اب بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کے ڈیڑی نے کچھ دیر بعد کھکار کر کہا۔

”مسٹر تو قیر..... مجھے افسوس ہے۔ حافظ کمزور ہے میرا۔ اب یاد آ رہا ہے کہ کہیں پہلے بھی آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔“

”سک..... کوئی بات نہیں ہے جناب.....!“ تو قیر نے آہست سے کہا۔

”نہیں۔ آپ مجھے معاف کر دیجیے۔“

”میں نے معاف کر دیا تا جناب۔“ تو قیر زبردستی پڑا۔

اب وہ لڑکی سے بولا۔ ”جہاں مجھے جانا تھا کسی وجہ سے نہیں جاسکا۔ گھر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ تم یہاں طوگی۔“

”ہاں ڈیڑی..... میں یہاں اکثر بیٹھتی ہوں۔ آج تو قیر صاحب نے مجھے بلا لیا۔ میں تو اب ان سے مرغ پکانے کی وہ ترکیب معلوم کر کے عی رہوں گی۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ وہ اخلاق اپنے کر بولا۔

”یقیناً بتائی جا سکتی ہے ترکیب۔ لیکن آپ اتنی مشقت برداشت نہ کر سکیں گی۔“ تو قیر بولا۔

”چھا بھی۔“ آنے والا امتحا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں مطلع کرنا چاہتا تھا کہ میں شہر ہی میں ہوں لیکن رات گھر پر نہ گزار سکوں گا۔“

”جب آپ جانی نہیں سکتے پھر رات گھر سے باہر کیوں گزاریں گے۔“

”ایک ضروری کام ہے۔ اچھا مسٹر تو قیر اب اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہو گی۔“

وہ لنگڑے سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر لڑکی بولی۔ ”آختم ڈیڑی سے کیوں نہیں ملتا جاہے تھے۔“

”رحم ہی کرو مجھ پر اور خاموش ہو جاؤ۔“

اس دوران میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانا ختم کر کے کافی طلب کی تھی۔ ساتھ ہی حمید نے بھی دوبار کافی کے لئے کھا تھا۔

کچھ دیر بعد لاکی نے تو قیر سے کہا۔ ”چلتے ہو میرے گھر۔“
”مگر..... گھر..... یقین کر.....!“

”ہاں..... ہاں..... تم پریشان کیوں ہو گئے۔ ڈیڑی تو رات بھر ہوں گے ہی نہیں۔“
”میرا خیال ہے کہ ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پہلے بھی تم نے کھا تھا کہ وہ شہر کے باہر گئے ہیں لیکن.....!“

”خیر..... خیر..... گھر تو دیکھو گے تم میرا۔“

”یقیناً..... ابھی چلیں گے..... لیکن گھر کے اندر اسی وقت داخل ہوں گا جب تمہارے ڈیڑی بھی موجود ہوں۔“

”چلو یونہی سکی..... تو اب ہمیں اٹھنا چاہئے۔“

”اتنی جلدی.....!“ لنگرے کے لمحے میں مایوسی تھی۔

”جیسی تمہاری مرضی۔“

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ حمید اپنا سر سہلا رہا تھا۔ لاکی اُسے پند آتی تھی۔ لیکن یہ کیا چکر قا۔ اتنی دیر میں وہ بھول ہی گیا تھا کہ اس سے پہلے لاکی کو کس روپ میں دیکھ چکا ہے۔ لاکی بڑی دلش تھی اور شوخی سے بھرے ہوئے انداز تکم نے تو حمید کے ذہن پر خاص اثر چھوڑا تھا۔ اس نے سوچا ”میں تمہاری ہمدردیاں حاصل کئے بغیر نہ رہوں گا..... تھیں کچھ دن اس دل بے خانماں پر بھی رحم کھانا پڑے گا۔“

کچھ دیر بعد اس نے پھر لاکی کی آواز سنی..... وہ لنگرے سے کہہ رہی تھی۔

”تو قیر..... کیوں نہ ہم دور چلے جائیں..... اس دنیا سے دور..... جہاں ہمارا منہلک اڑانے والے نہ ہوں۔“

”روحی.....! اکثر میں سوچتا ہوں کہیں تم خود ہی تو میرا منہلک نہیں اڑا رہیں۔“

”ایسا سچنے کی وجہ؟“

”احساس کتری میں بتلا ہوں۔ لنگرے پن کی وجہ سے۔“

”اگر تم لنگرے نہ ہوتے تو میں تم سے محبت بھی نہ کرتی۔ اگر تم میرے بعض طلب گاروں کو دیکھو تو تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں۔“

”پھر تم نے انہیں کیوں مایوس کیا.....؟“

”میں صرف اسی سے محبت کر سکتی ہوں جو کسی نہ کسی طرح میرا محتاج بھی ہو۔ تاکہ میں اس پر رحم کر سکوں۔“

”تو تم رحم کر رہی ہو مجھ پر۔“

”یقیناً.....!“

”بڑی عجیب ہو تم۔ میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔“

”اس سے پہلے میں نے ایک ستر سالہ بوڑھے سے محبت کی تھی۔“

”کیوں جلا رعنی ہو مجھے۔ وہ کھیانی بھی کے ساتھ بولا۔“

”یقین کرو..... لیکن اب وہ بالکل ہی اپنا بیچ ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے چھوڑنا پڑا۔“

”کیا مطلب....؟“

”مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اسے گدوں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکوں۔“

”خدا کے لئے کبھی تو سنبھالہ ہوا کرو۔“

”جس کی قسم کو کھا جاؤ۔..... میں نے اسے اس لئے بھی چھوڑ دیا ہے کہ اب اس کی بینائی جواب دے گئی ہے اور وہ بہت زیادہ اونچا سنتے لگا ہے۔ اب نہ وہ مجھے دیکھ سکتا ہے اور نہ میری گنگا ہست سن کر مل کھا سکتا ہے۔“

”بلیں اب ختم کرو یہ باتیں۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔“

”میں تمہیں اتنا دکھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا رحم بلبلہ ابھے۔“

”اب تو تمہیں چلتا ہی پڑے گا میرے ساتھ۔“ لڑکی بولی۔
 ”کہاں؟“
 ”مرے گھر۔“
 ”میں کہتا ہوں کہیں تمہارے ڈیمپلی۔“
 ”پلیز..... شٹ اپ..... چلو اٹھو۔“
 ”مم..... مطلب یہ کہ..... بل تو ادا کر دیں۔“
 ”تم ادا کرو گے؟“
 ”کیوں نہیں؟“

”آج پھر بھگڑا کرو گے۔ کل کیا کہا تھا میں نے۔“
 ”مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ تم مل ادا کرو۔“
 ”خاموش رہو۔“ لڑکی نے جھلانے ہوئے انداز میں کہا۔ ”پہلے میں نے تمہیں چاہا ہے تم نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتنا مردانہ وار چاہا ہے۔ لہذا تمہارا روں ایک عورت کا سا ہوتا چاہے۔“

”پاگل ہادوگی تم مجھے۔“ لنگڑا اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔
 لڑکی نے اشارے سے دیش کو بلا کر مل مانگا تھا اور پھر خود ہی اس کی قیمت بھی ادا کی تھی۔
 ”اور تم میری گاڑی میں چلو گے..... اپنی گاڑی واپس بھجوادو۔“ لڑکی نے کہا۔
 ”پھر میری واپسی کیسے ہوگی؟“
 ”میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔“
 ”لنگڑا شاہد سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔
 ”کیا سوچنے لگ۔“ روچی ٹھنک کر بولی۔
 ”مم..... کچھ نہیں۔“

”ایک ناگ سے۔“ تو قیر نے بھس کر پوچھا۔ لیکن حمید کو اس کی یہ بھی درد میں ڈوبنا ہوئی کراہی لگی تھی۔
 ”تو قیر..... کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔“
 ”کیا سوچتی ہو۔“
 ”اگر بیلی کا سر چیل کے سر سے مشابہ ہوتا تو میں کیسی لگتی؟“
 تو قیر کے چہرے پر کھسیاہٹ اور جھٹلے پن کا عجیب سامنڑا نظر آیا۔
 رومانی مود میں تھا لیکن لڑکی کے اس بے شکے جملے نے شائد اس کی اس ذہنی کیفیت کو درہم برہم کر دیا تھا۔

”تمھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد لڑکی پھر بولی۔
 ”اب تو یہ زندگی ہی محکن معلوم ہونے لگی ہے۔“
 ”میں اب کچھ نہیں بولوں گا..... ورنہ تم پھر میرا محکمہ اڑاؤ گی۔“
 ”محکمہ.....!“ لڑکی جیرت سے بولی۔ ”نہیں تو..... میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔“
 ”تم نے یہکیلی اور چیل والی بات کیوں کی تھی۔“
 ”اے بس وہ تو میرا زہن ہی ایسا ہے۔ اب اسی وقت میں تمہارے لئے رحم کے جذبے سے بھر پور بھی ہوں اور یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اگر تمہاری ٹانکیں سرے سے ہوتی ہیں نہیں تو تم خاصی دلچسپ چیز ہوتے۔“

”ذیکھووا مجھے تم سے مجبت ہیں کہیں لیکن میں اتنی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔“
 ”اے رہا مان گئے..... نہیں نہیں نہیں..... مائی سویٹس میں تو یونہی چھیڑ رہی تھی تمہیں۔
 ہائے غصے میں بڑے پیارے لگتے ہو۔“
 حمید نے محسوں کیا جیسے تو قیر نے بچوں کی طرح منہ پھلالیا ہو۔
 ”ہے ہے۔“ لڑکی پھر بولی۔ ”تمہاری آنکھیں بالکل بچوں کی ہیں۔ کتنی مخصوصیت ہے۔“
 حمید نے محسوں کیا کہ لنگڑا شرم رہا ہے۔

ن کا فاصلہ رہ گیا۔

سرک سنان تھی اس لئے تعاقب میں کوئی دشواری پیش آنے کا امکان نہیں تھا۔ شہر کے بڑے دولت مندوں میں کسی لنگرے تو قیر کی دریافت حمید کے لئے نی تھی۔ اگر وہ اپنی دولت مدتھا تو اپاچ ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں اتنی پیاس نہ ہوئی چاہئے تھی۔ حمید کو ایسا محبوں ہوا تھا جیسے پہلے پہل کوئی عورت اس سے اتنی قریب آئی ہو۔ اس نے اس کی آنکھوں میں پیاس بھی دیکھی تھی اور ایسی مصصوماتہ چمک بھی جو کسی پچھے ہی کی آنکھوں میں اس وقت نظر آسکتی ہے جب کوئی مرغوب ترین چیز متوجہ طور پر ہاتھ آگئی ہو۔ وہ تو قیر کے بارے میں سوچتا رہا۔ پستہ نہیں کیوں لڑکی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔ تعاقب جاری رہا۔ لیکن اگلی گاڑی کا رخاب شہر کے کسی ایسے حصے کی طرف ہرگز نہیں تھا جہاں تو قیر کی قیام گاہ کی موجودگی کا امکان ہوتا۔ اس سرک کا اختتام ساحل پر ہوتا تھا۔ بلا خراگلی کار ساحلی علاقے کے ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی تھی۔ پھر وہ گاڑی روکنے پہنچی نہ پایا تھا کہ ایک شدید ذہنی جسمکے سے دوچار ہوتا پڑا۔ کار سے تو قیر یا روحی کے بجائے اس کا ذہنی اتر اتھا۔

حمد نے بریک لگائے اور انہیں بند کر دیا۔ اس کی گاڑی اگلی کار سے دس بارہ گز پچھے رکی تھی۔ روحی کا ذہنی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر ہوٹل میں چلا گیا۔

حمد سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ روحی تو قیر کو یہ کہہ کر اپنے گھر لے گئی تھی کہ وہاں اس وقت سناٹا ہو گا اور اس کا ذہنی بھی اسے ہیں اطلاع دینے سے پول آیا تھا کہ وہ رات گھر سے باہر گزارے گا۔ لیکن حالات اس کے برعکس تھے۔ وہ ان دونوں کے وہاں پہنچنے تک گھر ہی پر موجود رہا تھا اور پھر جب وہ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے تھے تو گاڑی لے کر ادھر چلا آیا تھا۔ تو کیا تو قیر وہاں پھر بے گا۔ روحی نے اس کی کار بھی واپس پہنچوادی تھی۔

”ہونہہ تو قیر.....!“ حمید نے اسامنہ بناؤ کر بڑی بڑی ”جہنم میں جائے۔“

”تو چلو ہوئا.....!“

”چلو.....!“ لنگرے نے طویل سانس لے کر زینا کھی سنبھالی۔ حمید بھی اس دوران میں مل کی اداگی کری چکا تھا۔ اس لئے تعاقب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ لڑکی نے لنگرے کو سہارا دے کر اپنی ہی گاڑی میں اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود اسٹریٹر گل کے سامنے پیٹھے گئی تھی۔

حمد کی بھجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا چکر ہو سکتا ہے۔ لڑکی آ لکھو والے دھماکے میں ملوٹ تھی۔ لہذا وہ محض تفریح کی خاطر اس طرح کھا۔ روٹ شہر میں نہ پھر سکتی۔ اگلی کار شہر کی مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی بلا خرموزڈ کا لوٹی والی سڑک سے آگئی۔ موزڈ کا لوٹی پہنچ کر لڑکی نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی اور حمید اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ ویسے اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ واپسی میں وہ اس عمارت کو پیچان لے گا جہاں کار روکی گئی تھی۔

ہوا بھی یہی۔ کچھ دور آگے جا کر اس نے پورا لیا اور پھر ٹھیک اسی عمارت کے سامنے آپنچا۔ وہ کار اب بھی عمارت کے کپڑا ٹڑ کے باہر موجود تھی۔ لیکن اس کا رخاب شہر کی طرف تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا کہ کار خالی ہے یا کوئی اندر موجود ہے۔

وہ پھر اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ عمارت معلوم ہو چکی تھی جہاں اب ان لوگوں کا قیام تھا۔ نگرانی کے لئے نقطہ آغاز کا تین ہو چکا تھا۔ اس لئے اب وہاں پھر کر کرنا۔ اپنی دھن میں شہر کی جانب روای دوال تھا کہ برابر سے وہی کار جس کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا آگے ٹکلی چلی گئی۔

اس نے سوچا ممکن ہے روحی لنگرے تو قیر کو اپنی قیام گاہ دکھا دینے کے بعد اس کے گھر چھوڑنے جا رہی ہو لہذا ان تو قیر صاحب کا جغرافی بھی کیوں نہ معلوم کر لیا جائے۔

اس نے اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور پھر دونوں گاڑیوں کے درمیان صرف پچاس

پورے ہال پر سناٹا طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زور آزمائی کا انجام دہاں کی
نضاکے لئے کوئی اہم ترین فیصلہ ثابت ہوگا۔ ویر جہاں تھے وہیں رک گئے تھے۔ لوگوں نے
اپنی مصروفیات ترک کر کے اس زور آزمائی کی طرف متوجہ ہو جانا جیسے بے حد ضروری سمجھا ہو۔
انھی میں بڑے ہال میں دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی لکھ ہر گوشے سے سنی
جاسکتی تھی۔

کاؤنٹر ٹکر کے چہرے پر کچھ ایسی بدواہی نظر آرہی تھی جیسے وہ اچانک کسی طوفان میں
گھر گیا ہو۔ فتحاً حمید نے دیکھا کہ قدم آور جہاز راں اپنی نشست سے اکھڑ رہا ہے۔ پھر دیکھتے
ہی دیکھتے وہ میز پر اونڈھا لیٹا نظر آیا۔ روہی کے ڈیڈی نے اپنی جگہ سے جنش بھی نہ کی تھی۔
”بریووو....!“ ہر طرف سے فرے بلند ہوئے۔

قدم آور جہاز راں کا گریبان اب بھی اس کی گرفت میں تھا اور وہ خود میز پر اونڈھا پڑا تھا۔
پھر دیکھتا اس طرح پڑے پڑے اس نے میز الٹ دی لیکن اس مرحلے پر بھی روہی کا ڈیڈی بے
حد پھر تیلا ثابت ہوا۔

جہاز راں کی اس حرکت کا مقصد بھی تھا کہ وہ میز کے نیچے دب کر رہ جائے لیکن وہ اس
سے کئی گز دور کھڑا اُسے تحریر آئیں نظر وہیں سے دیکھ رہا تھا۔
جہاز راں نے اٹی ہوئی میز پر سے اٹھنے کی کوشش کی..... لیکن چلی بار کامیاب نہ ہو سکا۔
اسنے بڑے ڈیل ڈول کو کچھا کرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔

اب ہال میں خاصا شور ہو رہا تھا۔ لوگ اپنی آوازوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہنس رہے
تھے اور آوازے کس رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دوسرے جہازیوں کو اس جہازی سے
ذرہ برابر بھی ہدروی نہ رہی ہو۔ بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کی تکلیف پر مسرور ہوں۔

اچانک وہ اٹھا اور روہی کے ڈیڈی پر ٹوٹ پڑا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے دو جنگل
میں ایک دوسرے کو کلکریں مار رہے ہوں۔

کاؤنٹر ٹکر بدواہی میں کاؤنٹر پر چڑھ کر شور چاہا تھا۔ کبھی ”پولیس پولیس“ کا غفرہ لگاتا

Scanned by id54

اُسے تو ان دونوں سے غرض تھی۔ تو قیر کوئی درمیانی کردار نہ تھا۔ قلعی غیر متعلق جس سے
حکمہ سراغ رسانی کو کوئی لچکی نہیں ہو سکتی تھی۔
وہ گاڑی سے اُتر کر خود بھی ہوٹل میں چلا آیا۔ متوسط درجے کے اس ہوٹل میں زیادہ تر
جہاز راں ہی نظر آتے تھے۔

روہی کا ڈیڈی کاؤنٹر پر کہیاں نہ لائے جھکائے کھڑا کاؤنٹر ٹکر سے کچھ کہر رہا تھا۔
حمید نے سوچا کہ اُسے اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ وہ کہیں بیٹھنے
جائے۔ کئی میزیں خالی تھیں اور وہ اس پر قریب سے نظر رکھنا چاہتا تھا۔
وہ سوچ ہی رہا تھا کہ خواہ خواہ کھڑے رہنے کے لئے کیا جواز پیدا کرے کہ اُس نے
اُسکی طرف بڑھتے دیکھا۔ لیکن وہ خالی نہیں تھی۔ اس پر پہلے ہی سے تین جہاز راں
 موجود تھے۔ انہوں نے گرم جوٹی سے اس کا استقبال کیا تھا اور جو تھی کری اُسے پیش کی تھی۔
حمد اس کے قریب ہی کی ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ان کے درمیان تاش
کی کھیل کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اور روہی کا ڈیڈی بھی اس گفتگو میں شامل ہو گیا تھا۔

حمد کو کاؤنٹر پر جا کر اپنا آڑو چلیں کرنا پڑا۔ یہاں کا بھی دستور تھا۔
تھوڑی دیر بعد وہی طلب کی ہوئی چیزیں اس کی میز پر پڑ گیا۔
ان کی گفتگو آہستہ آہستہ پر جو ش انداز اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ایک جو تن و تو ش میں ان
دونوں سے زیادہ تھا روہی کے ڈیڈی سے الجھ پڑا تھا۔ وہ دونوں کو کوشش کر رہے تھے کہ بات نہ
بڑھنے پائے لیکن قدم آور جہاز راں بار بار روہی کے ڈیڈی کو لکا رہا تھا۔
حمد نے روہی کے ڈیڈی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ لیکن اُسے کوئی معنی نہ
پہنچا سکا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے قدم آور جہاز راں کا گریبان اس کی گرفت میں تھا۔ دوسرے جہاز
راں کرسیوں سے اٹھ گئے۔ قدم آور جہاز راں کا باتھ بھی اب روہی کے ڈیڈی کے کوٹ کے کالر پر
نظر آیا۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے گریانوں پر زور صرف کرتے رہے۔

”جی ہاں..... زندگی میں پہلی بار اسی غلطی ہوئی ہے۔“

”جلدی میں....!“

”نج..... جی ہاں۔“

”بھلاکس بات کی جلدی تھی۔“ اُس نے گاڑی کو بائیں جانب کپے راستے پر اتارتے ہوئے کہا اور پھر گاڑی قریب کی سمتی کی ایک گلی میں داخل ہو گئی۔

”جواب دو۔“ وہ غرایا۔

”میں آپ سے گزارش کروں گا کہ مجھ پر خفاف ہوئے..... میری گاڑی۔“

”جہنم میں گئی تھماری گاڑی..... کیا میں اس کے لئے گرفتاری کا خطرہ مول لوں گا۔ اب تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔“

”اور میری گاڑی۔“

”خاموش رہو..... ورنہ دھکا دے کر نیچے اتار دوں گا اور تم اس وقت یہاں تکسی یا رکشا بھی حاصل نہ کر سکو گے۔“

”اللہ میرے حال پر حرم کر۔“ حید بے بی سے منہنیا۔

روی کا ذیئی زہر میلے انداز میں پس رہا تھا۔

”اب میں تمہیں اپنی جلد بازی کا ایک شاہکار دکھاؤں گا۔“ اُس نے کچھ دیر بعد بڑے کھسپر لمحے میں کہا۔

شاہکار

حید اپنی گدی سہلانے لگا پھر بولا۔ ”میں جتاب کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”جبتاں کا مطلب جناب ہی ہے۔“

اور کبھی دونوں ہاتھوں بے رانیں پیٹے گلتا۔

میزیں الٹ رعنی تھیں۔ کریاں چڑچڑا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھیں۔ میزوں کے الٹے پوٹھے والی کراکری کی چینچنا ہے۔ بھی خضا میں گنجی۔ حید اپنی میز سے باٹھ کر قریبی دیوار سے جالا تھا۔

دفعاً اس نے جہاز راں کو دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا۔ روی کا ذیئی اس کے پیچے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج وہ اس قد آور جہاز راں کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ حید نے باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور روی کے ذیئی کے پیچھے ہی پیچھے خود بھی باہر نکل آیا۔ خود باہر نکل آیا اور یہ ذیکر کر پیروں تسلی کی زمین نکل گئی کہ بھکوڑا جہاز راں فرار ہونے کے لئے اسی کی گاڑی استعمال کر بیٹھا ہے۔

آس پاس روی کے ذیئی کی گاڑی کے علاوہ اور کوئی گاڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر رہا ہے۔ حید نے آؤ دیکھانہ تاؤ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھوٹا ہوا اندر بیٹھ گیا۔

”کون ہے.....؟“ روی کا ذیئی غرایا۔

”جناب عالی..... آپ کا شکار نیمری گاڑی لے جانا گا ہے۔“ حید منہنیا۔
ناک میں اسپر گگ پہنے ہونے کی وجہ سے آواز بھی کچھ ناک کے میں ہی نکلتی تھی۔

”تو جناب یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔“ وہ غرایا۔

”پپ..... پھر....!“

گاڑی حرکت میں آجھی تھی اور غالباً جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے حید کی ”پھر“ کا جواب نہیں دیا تھا۔

فی الحال گاڑی اسی سمت جاری تھی جدھر جہاز راں گیا تھا۔
حید خاموش بیٹھا رہا۔

”تو جتاب..... کنجی اگیشن ہی میں چھوڑ آئے تھے۔“ اس نے زہر میلے لمحے میں پوچھا۔

بہر حال وہ بستکتے رہے۔

”کیا آپ استراحت فرمائے ہیں جناب۔“ اگلی سیٹ سے روچی کا ذیثی غرایا۔

”نہیں جناب..... دیکھ رہا ہوں کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آری۔..... آپ ہی نے یہ خدمت میرے پردازی ہے۔“

”اچھا..... اچھا..... میں سمجھا تھا شاندروں گئے۔“

”تیندا آئے گی ایسی صورت میں جب کمیری گاڑی۔“

”گاڑی..... گاڑی..... اپا لاؤ تھی؟“

”نہیں..... آسٹن اڈالیس موڈل۔“

”لا جول والا قوہ..... کھڑا رے کے لئے انتیجے بے چین ہو۔“

”خاندانی چیز ہے جناب۔ بڑی محنت سے میں ٹین کی گئی ہے۔ آپ دیکھتے تو ایسا نہ کہتے۔“

”خیر..... خیر..... مجھے کیا۔ میں تو تمہیں اپنی جلد باڑی کاشاہ کار دکھانا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا چیز ہے جناب..... اشتیاق اتنا نہ بڑھائیے کہ میراد گھٹنے لگے۔“

”کیا تمہاری آواز کی منناہٹ پیدائشی ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ حمید نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”مطلوب صاف ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ عیوب پیدائشی ہے یا کسی مرض کا نتیجہ۔“

”پیدائشی ہے۔“ حمید نے بہت زیادہ غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”میں تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ناک میں یقیناً نہدوں ہوں گے۔“

”جہنم میں گئے تم اور تمہاری گاڑی..... مجھے تینیں اٹار دو۔ میں پیدائش جا جاؤں گا۔“

”میری قوت کا اندازہ تو تمہیں ہوئی گیا ہوگا؟“ نہایت سرد لمحے تباہ نہایا۔

اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں برقی روی دوڑ گئی۔ لیکن پھر بھی وہ جرزاں کر کر بڑا۔

”اچھا تو پھر.....؟“

”کچھ نہیں..... اسے ذہن میں رکھو گے تو آرام سے رہو گے۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھا۔“

”کچھ دیر بعد سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال ذرا یہ دیکھتے رہو کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آری۔“

”بہت بہتر جناب۔“ حمید نے کہا اور بیک سکرین سے پیچھے دیکھنے لگا۔ گاڑی اونچے نیچے راستے پر ہلکوڑے لیتی آگے بڑھتی رہی۔ حمید کو افسوس ہو رہا تھا۔ اپنی اس غیر دشمندار حرکت پر۔

خواہ مخواہ پیشہ گیا تھا اس کی گاڑی میں۔ ہو سکتا ہے شامت ہی نے آواز دی ہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر ایسی حرکتیں جو بے خیالی میں سرزد ہوئی ہوں اس کے لئے پریشانیوں کا باعث بن چکی تھیں۔

”اوہ نہ...!“ اس نے لاپرواپی سے شانوں کو جبکش دی اور سوچا ”دیکھا جائے گا۔ کرٹل ہارڈ اسٹون کی طرح کون احتیاط برستا پھرے۔ مکروہ..... اور فتا کر دو یا فتا ہو جاؤ۔“

لیکن پھر خیال آیا کہیں یہ حماقت کرٹل ہارڈ اسٹون کے لئے دشواریاں نہ پیدا کرے۔ ویسے ابھی تک فریدی نے اعتراف نہیں کیا تھا کہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ تو اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوا تھا کہ آصف نے سارا الزام اسی کے سر رکھ دیا تھا۔

بہر حال اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ لیکن اگر وہ کسی جاں میں پھنس کر فریدی کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع نہ دے سکا تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آصف والا واقعہ ہو جانے کے بعد سے خود اس نے ان لوگوں کا سارا غم کھو دیا تھا۔ پھر فریدی ان تک کیسے مخفی سکے گا۔

آصف کے واقعہ کے بعد انہوں نے اپنی رہائش گاہ بدل دی تھی۔ موڈل کالونی کی ایک عمارت میں قیام کیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ اوگھے رہا ہے۔ لہذا کتنی بار آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر اندر ہرے میں گھورنا پڑا۔

گاڑی اب تک انہیں گلیوں میں گھٹی پھر رہی تھی۔ شاندروہ شہر پیچنے کے لئے نامنوں راستے اختیار کر رہا تھا۔

”صاحب وجہ تو آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی۔ کوئی نفیاتی گرہ ہوگی۔ مثال کے طور پر لاشور...!“

”میں لا شور کو نہیں مانتا۔“

”جناب یہ کوئی پیر یا فقیر نہیں ہے..... لا شور ذہن کے اس حصے کو کہتے ہیں....!“

”بس بس....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”محض نفیات سے چڑھے ہے۔ کیونکہ اب ہر کس وہ اس تھوڑی نفیات پڑھ کر ماہر نفیات ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔“

حید نے سوچا و یہ بھی اسے زیادہ نہ بولنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات زبان سے نہل جائے جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شکر کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے وہ وقت تو آیا کہ وہ ان ہنگامہ پروروں سے اتنا قریب ہو گیا ہے۔

پھر خاموشی سے چلتے ہوئے وہ اس عمارت تک آپنچھ جسکے سامنے روئی نے کارروکی تھی۔

”ہم بہت آہنگی سے اندر داخل ہوں گے۔“ روئی کا ذیلی چپکے سے بولا۔

”آپ مجھے کہاں لئے جا رہے ہیں؟“

”خاموشی سے میرے حکم کی تعیل کرو۔ میں تمہیں اپنی جلد بازی کا نتیجہ ضرور دکھاؤں گا۔“

”میں نہیں دیکھنا چاہتا۔“

”تمہیں دیکھا پڑے گا۔ کیونکہ یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی۔“

”کوئی زبردستی ہے۔“

”میں اسی کا عادی ہوں کہ جو کچھ میری زبان سے نکلے ضرور پورا ہو۔“

”خداوند اکبین میں کسی پاگل کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا ہوں۔“

”مشث اپ..... جان سے مار دوں گا۔“ روئی کا ذیلی غریا۔

”میچ..... چلنے جتاب.....!“ حید خوف سے لرزنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بول۔

چاہاںک سے گزر کر وہ کپاڈ غریب میں داخل ہوئے۔

”بیجوں کے مل چلو..... ذرا سی بھی آواز نہیں ہوئی چاہئے۔“ روئی کا ذیلی آہستہ سے نوال۔

حمدید کچھ نہ بولا۔ صرف ہوتوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

روئی کا ذیلی بھی اب خاموش ہو گیا تھا۔

کار بلا خرموڑ کا لوٹی آپنچھ..... لیکن اب جس عمارت کے سامنے رکی تھی وہ کوئی اور تھی۔ وہ عمارت تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جہاں کچھ در پہلے روئی اور تو قیرز کے تھے۔

فتحا کار کے اندر روشنی ہو گئی اور روئی کا ذیلی مرکر حید کی طرف دیکھنے لگا۔

ایک پل کے لئے حید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اسے پیچانے کی کوشش کر رہا ہو۔

”کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔“ اس نے کہا۔

”دیکھا ہو گا۔“ حید نے لاپرواں سے کہا۔ ”میں اکثر اس ہوٹل میں بیٹھتا ہوں۔“

”خیر..... اُردو نیجے۔“

حید گاڑی سے بیٹھے آٹا آیا۔ وہ بھی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے ایک جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں بیٹھل ہیں چل پڑے۔ کارو بیں رہ گئی جہاں روئی گئی تھی۔

”تم سب کچھ خاموشی لے دیکھو گے۔“ روئی کا ذیلی بولا۔

”کیا خاموشی سے دیکھوں گا۔“

”وہی جو کچھ نظر آئے۔“

”اگر مناظر نے مجھے تو کوئی کی طرح بھونکنے پر مجبور نہ کر دیا تو خاموشی ہی سے دیکھوں گا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”بپش مناظر مجھے کھوپڑی سے باہر کر دیتے ہیں۔“

”مثلاً.....!“

”مثلاً یہ کہ اگر میں کسی کو بریانی یا رائٹ کھاتے دیکھ لیتا ہوں تو بے اختیار یہی بھی چاہتا

ہے کہ اس کے ایک چھت رسید کر کے پلیٹ چھین لوں۔“

”کیوں.....؟“

”آؤنا.....!“ روئی ٹھکنی۔
وہ آگے بڑھا اور روئی بنتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے کا چکر کاٹ کر روئی پھر ایک گوشے میں رک گئی۔ دنوں کے درمیان خاصاً فاصلہ تھا۔

”آؤنا.....!“ روئی پھر ٹھکنی۔
تو قیری ہاتپ رہا تھا۔ وہ بھر آگے بڑھا۔ روئی بڑے پھر تیلے پن کا مظاہرہ کرتی تھی۔

اکثر بالکل اس کے قریب سے نکل جاتی اور وہ ہاتھ پھیلائے رہ جاتا۔
ایک بار ایسے ہی موقع پر اس نے بیساکھی کو ٹھوکر ماری اور بیساکھی تو قیر کی بغل سے نکل کر کچھ دور تک فرش پر پھسلتی چلی گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس بار حید نے اس کے چہرے پر شدید ترین جھنجلاہست کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہا جیسے اس کی مفتق انگلیاں فرش کا پلاسٹر اکھاڑ دیں گی۔ روئی دور کھڑی اٹھلا اٹھلا کر منہ رعنی تھی۔

”روئی.....!“ وہ بھر آگئی ہوئی آواز میں بولا۔

”آؤنا.....!“ اس بار روئی کے لجھے میں سمجھی گئی۔

وہ چند لمحے روئی کو گھوٹا رہا پھر کسی بے بن کتے کی طرح اس کی طرف گھستنے لگا۔
جیسے ہی قریب پہنچا وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ نہ صرف پیچھے ہٹ لکھا بیساکھی بھی اٹھاتی لیتی چلی گئی۔

”روئی.....!“ وہ علق پھاڑ کر چینا۔ لیکن روئی کا قہقہہ اس کی جنح پر بھی بھاری پڑا تھا۔ وہ فرش پر کھدیاں نکالے ہانپاڑا۔
کچھ دیر بعد روئی پھر اس کے قریب آئی اور سزا نانے پیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ فرش پر سرڈا لے پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سراخایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔
”ازے..... تم رور ہے ہو۔ میری طرف دیکھو..... ہائے..... یہ آنسو..... تو قیر.....
نہیں..... ان آنسوؤں کو اسی طرح پکلوں میں تھرھرانے“ وہ۔

”روئی.....!“ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

حید بے چوں و چراوی کرتا رہا جو کہا جا رہا تھا۔ وہ بیرونی برآمدے میں داخل ہوئے روئی کے ڈیڑی نے ہینڈل گھما کر ایک دروازہ ٹکھوا۔ اندر گھری تاریکی تھی۔
”میرے شانے پر پا تھر نکھے چلے چلو۔“ روئی کے ڈیڑی نے سرگوشی کی۔ حید نے کان دبا کر اس کے کہنے پر عمل کیا۔

روئی کا ڈیڑی بے آواز چل رہا تھا اور اس کے باہمیں شانے پر حید کا داہنا تھا۔

”میں سگر بیٹ سلاکالوں۔ بہت دیر سے نہیں پیا۔“ حید نے آہتہ سے پوچھا۔

”ایسی حاتقوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلو۔“

”بند ہی جھو! اندر ہیرے میں کیا بھائی دیتا ہے۔“

”دھرہ دکھو! اب یہاں سے ہم زینوں پر چڑھیں گے۔ مختار رہنا۔“

”یار کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔“ حید نے جھنجلاہست کا مظاہرہ کیا۔

”بس ذرا عیسیٰ دیر میں تم کافی سکون محسوں کرو گے۔“

زینے طے کر کے وہ ایک بالکنی میں پہنچے۔

شائد اس طرف ایک ہی لاکین میں کئی کمرے تھے۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے روشن نظر آئے۔

روئی کے ڈیڑی نے حید کا ہاتھ دبایا۔ جس کا مطلب شائد یہی تھا کہ اب اور زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

پھر وہ اسے وہیں روک کر آگے بڑھا اور روشن نظر آنے والی کھڑکی سے کمرے کے اندر جھانکنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس کے اشارے ہی پر حید کھڑکی کے قریب گیا تھا۔ کمرے کے اندر کا منظر..... خدا کی پناہ۔

روئی کم سے کم کپڑوں میں تھی..... اس سے تھوڑے فالے پر تو قیر بیساکھی کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں۔ چہرہ سرخ تھا۔

”نہیں..... میں اپنے ارادے میں اٹل ہوں۔ بیساکھی استھان کے بغیر مجھے پکڑ لوتو....!

”روجی.....!“ وہ حلچ پھاڑ کر چینا اور روچی پھر اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ حمید اس طرح محظیہ کے گرد پیش کی خبر نہ رہی۔ خود اس کی سانس بھی پھولے لگی تھی۔

دفتار روچی کے ڈیٹی نے اس کے شانے پر چھکی دی اور وہ اچھل پڑا۔

”آؤ چلیں!“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا آجستہ سے بولا۔ ”وہ اسے اسی طرح تھا تھا کا کر بے حال کر دے گی۔“

حمد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس موقع پر یا اس محلے پر کس طرح انہمار خیال کرنا چاہئے۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے ایک دورافتادہ گوشے میں آیا۔ روچی کے ڈیٹی نے سورج دبا کر وہاں روشنی کروی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی فضا کی تہہ خانے کی کھمنی سمجھی فضا سے مشابہ تھی۔

”یہ تھامیری جلد بازی کا شاہکار!...!“ اس نے گھمیر لجھ میں کہا۔

”میری تو عقل ہی خطب ہوئی جا رہی ہے جناب عالی..... یہ کیا اسرار ہے۔“ حمید نے اپنے ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔

”بیٹھ جاؤ!“ روچی کے ڈیٹی نے ایک کری کی طرف اشارہ کیا۔

حمد نے بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی اور جیب میں سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

”وہ میری لڑکی ہے..... اور میں نے کچھ ایسی جلدی میں اس کی تربیت کی ہے کہ اب وہ میرے لئے ہی مصیبت بن گئی ہے۔“

”جناب اب تو آپ کی باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”جہلا جلدی میں تربیت کیوں نکر ہوتی ہے۔“

”بس کیا باتاو۔ ایسے سمجھ لو میرا رو یہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے یہ رہا ہے جیسے میری ٹرین چھوٹنے والی ہے..... ادھر آیا اور ہرگیا..... میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں دے سکا۔“

”اتی ذرا سی بات بتانے کے لئے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔“

”تم اسے اتنی ذرا سی بات کہہ رہے ہو۔“

”پھر کیا کہوں.....؟“

”ارے وہ اس طرح کے کو ملکر کی خلکار ہو گئی ہے۔ اسے صرف لگڑے پسند آتے ہیں۔ صرف لگڑوں سے اس کی دوستی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ کسی لگڑے ہی سے شادی کرنے پر نہ اڑ جائے۔“

”وہ لگڑا کون تھا۔“

”اس کا دوست۔“

”آپ کس طرح برداشت کرتے ہیں یہ سب کچھ..... ایسا باپ بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“

”جو انی میں میں بھی بہت آوارہ تھا۔ اب کس منہ سے اُسے روکوں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”عجیب و جیب کچھ بھی نہیں۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ ظاہر ہے جو انی میں جن نظریات کے تحت میں نے اپنی آوارگی کا جواز پیدا کیا تھا اُسی طرح کے کچھ نظریات وہ بھی رکھتی ہو گئی۔“

”لیکن یہ رجحان..... خدا کی پناہ..... مجھ کو بے چارے لگڑے پر رحم آ رہا تھا۔ میں بھی نفیات کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ لیکن آج تک کوئی ایسا کیس میری نظر سے نہیں گزرا۔“

”کیا کیس.....؟“

”کسی اپاچ کی بے چارگی سے محفوظ ہوتا۔“

”واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے۔“ روچی کا ڈیٹی پر ٹشوٹ انداز میں سر ہلا کر بولا اور حمید اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بھی کوئی عجبہ ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

”تم خلکڑے ہی کیوں؟“

”میں خوب نہیں سمجھ سکتا۔“

”ہوش میں رہو۔ جانتے ہو تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔“
 ”میں نہیں سمجھتا۔“
 ”سرفضل مجید آف بوو۔ اٹیٹیت۔“
 ”آئی ایم دیری سوری سر۔۔۔ یہ یونگا اٹیٹیت کہاں ہے۔“
 ”شمالی پہاڑی سلووں کے درمیان۔۔۔ نہ ہوئی میری اٹیٹیت۔۔۔ کھال کھنپوا لیتا۔“
 ”لنگڑے کی۔۔۔؟“

”ٹٹ اپ۔۔۔!“ اس نے حمید کا گربیان پکڑ کر جھکلا دیا۔ اتنا عزیز ردست جھکتا تھا کہ حمید کری سے اٹھتا چلا گیا۔ ساتھ ہی کپٹی پر ایک ہاتھ بھی پڑا تھا۔ حمید کو ایسا محبوس ہوا جیسے سر سے شہاب ناقب کا کوئی ٹکڑا اٹکرا رہا ہو۔ آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔
 پتہ نہیں کتنی دیری تک دونوں ہاتھوں سے سرخا سے رہا تھا اور اس کا جسم گویا فضائیں پکراتا ہوا محبوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور خود کو پینے سے نہیا ہوا بھی محبوس کیا۔
 سرفصل حمید سامنے کھڑا اُسے خونخوار نظرؤں سے گھورے جا رہا تھا۔
 ”اٹھو۔۔۔!“ اس نے غرما کر کھا۔

حمدید چپ چاپ دہاں سے اٹھ گیا۔ اس کی طاقت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے کوئی غیر داشمندانہ فیصلہ نہ کر سکا۔

”چلے جاؤ۔۔۔ اگر پھر کبھی شکل دکھائی دی تو مجھے سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔“
 حمید چپ چاپ بے کی طرف مڑ گیا۔

”دھمہرو۔۔۔!“
 حمید رک گیا۔

”تم ایک گھنٹے بعد ہمیں یہاں نہ پاؤ گے۔ اسلئے پلیس اٹیٹیشن تک جانے کی زحمت نہ کرنا۔“
 حمید کچھ نہ بولا۔

”سختی سے روکئے۔ آئندہ کسی لنگڑے سے نہ ملنے دیجئے۔“
 ”رورو کر جان دے دے گی۔“
 ”مرہنی جانا چاہئے ایسی اولاد کو۔“
 ”شٹ اپ۔۔۔ تم ایک باپ سے کہہ رہے ہو ایسی بات۔“
 ”ساتھ ہی باپ کو بھی مر جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔“
 ”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ہڈیاں پسلیاں توڑ کر کھدوں گا۔“
 ”ایسے مناظر دیکھنے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں ہڈیوں اور پسلیوں کا ڈھیر بن جاؤں۔
 کوئی بات ہے۔ صاحبزادی لنگڑے سے شغل فرمائی ہیں اور آپ مجھے بور کر رہے ہیں۔“
 ”چلے جاؤ یہاں سے۔“
 ”پیدل۔۔۔!“
 ”میں سچ سچ۔۔۔!“ وہ مٹھیاں سچنچ کر رہا گیا۔ جملہ بھی پورا نہ کر سکا غصے کی زیادتی کی بنا پر۔
 ”اگر تم میرے باپ ہوتے تو میں تمہیں گولی مار دیتا سمجھے۔“
 ”کیوں۔۔۔؟“ وہ غرایا۔
 ”تم جیسے نامعمول بالپوں نے یہی باسڑہ سوسائٹی پیدا کی ہے۔ اپنے کلچر کی ایک چیز بھی صحیح و سلامت نہ رہنے دی۔ ابھی ابھی تم نے اپنی جگہ پارہ کے جسم پر جو لبایں دیکھا اور برداشت کیا تھا کیا تمہارے باپ تمہاری بہن کے جسم پر برداشت کر سکتے؟“
 ”خاموش رہو۔۔۔ دیقاںوں کے پیچے۔ تم پڑھے لکھے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ پھر کیوں نہ مغربی اقوام سے پیچھے رہ جاؤ۔“
 ”جی ہاں۔۔۔ اسی لنگوٹی ہی کی وجہ سے تو مغربی اقوام آگے ہیں ہم سے۔“ حمید جل کر بولا۔
 ”کیا مطلب۔۔۔؟“
 ”خواتین کی کم لباسی ہی انہیں چاند پر لے جا رہی ہے۔ سوچتے ہوں گے جب یہ زمین کے چاند ایسے ہیں تو وہ چاند کیسا ہو گا جسے لنگوٹی بھی میر نہیں۔“

”شام کو آپ کے جاتے ہی کوئی صاحب آئے تھے۔ انہیں لے کر لا بیری میں پڑے گئے تھے۔“

”کون صاحب تھے؟“

”پتہ نہیں.....!“

”کیوں بکواس کرتا ہے۔“

”یقین کیجئے صاحب۔ وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آئے۔“

”خیر.....میں دیکھوں گا۔“

”میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب آپ جائیں۔ محض اسی لئے جاگتا رہا کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔“

”آپ آگاہ فرمائچے۔۔۔ اب ہٹنے سامنے سے۔“ حمید نے خنک لبھ میں کہا اور اسے ایک طرف ہٹانا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ احتیاطاً پہلے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ قادر ہارڈ اسٹوں ہی نہ ہے۔ پتہ نہیں کس موڑ میں ہوں۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے رسیور اٹھایا۔

”دوسری طرف سے آواز آئی۔“ دُشتر بند کرو۔“

”لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید نے مزید کچھ کہے بغیر رسیور کریڈل پر ٹھیک دیا اور بستر پر گر کر سوت اور جوتوں سمیت سونے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر پتہ نہیں کہ آنکھ لگ گئی۔ بے خبر سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو ذہن ہوا میں اڑا جا رہا تھا اور کانوں میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

”جھلا کر رسیور کی طرف ہاتھ بڑھا یا۔۔۔“

”دوسری طرف سے فریدی بول زہا تھا۔“ ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے تھے۔“

”بوجا۔۔۔!“ حمید نے ماڈ تھیں میں دھاڑ کر رسیور بیز پر پھیک دیا اور پھر لیٹ گیا

”پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔۔۔ ہمارے ہوں سر مرد میں جملہ حسلام کرتے ہیں۔۔۔ بس نکل جاؤ۔“

حمدید چل پڑا۔ عقب سے سرفصل نارچ کی روشنی میں اسے راستہ دکھا رہا تھا۔ کیونکہ عمارت کے دوسرے حصے بالکل تاریک تھے۔

حمدید کو اچھی طرح یاد نہیں کروہ باہر کی کھلی فضائیں کتنی دیر بعد پہنچا تھا۔ سرفصل عمارت سے باہر نہیں آیا تھا۔ سڑک پر چند قدم چل کر حمید پھر رک گیا۔ غصے کے مارے اس کا سارا جسم جھلسا جا رہا تھا۔ پھر یک بیک اس کے ذہن میں ایک خاص قسم کی کلبلاہت ہوئی۔ غالباً وہی پرانی چھپلی متخرک ہوئی تھی جو اسے آنکھیں بند کر کے اندر ہے کنوئیں میں بھی چھلانگ لگادینے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اس نے سوچا کہ وہ سرفصل حمید آف بونگا اسٹیٹ ہی کی گاڑی کوں نہ لے جھاگے۔ اس خیال کے تحت وہ بڑی تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا تھا جہاں سرفصل نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

اتی تیز رفتاری سے چلا تھا کہ وہاں تک پہنچنے پہنچنے سانس پھول گئی اور وہاں پہنچ کر تو ہیں جی چاہا کہ اپنی دھیاں اڑا کر کھدے۔ گاڑی وہاں سے غائب تھی۔ سڑک پر دور دور تک سناتا تھا اور موڈل کالونی شہر سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر تھی۔

چلتا ہی پڑا۔۔۔ فی الحال یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ سب سے بڑی خواہش اس وقت ہی تھی کہ کسی طرح فریدی کو ان حالات سے آگاہ کر دے۔

چلتا رہا۔ پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ ایک میل پیدل چلنے کے بعد ایک آٹو رکشا خالی مل گیا۔ بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ چالنک ہی پر نصیر سے مدد بھیڑ ہوئی۔

”صاحب لا بیری میں ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن بختی سے منع کیا ہے کہ کوئی راہداری سے بھی نہ گزرے۔“

”کب کی بات ہے۔“

کان دبا کر۔

”کتاب کی قیمت..... جس دوکان سے جتنی کاپیاں اٹھائی گئیں ان کی قیمت بذریعہ پُٹل آڑ رکھی گم نام آدمی کی طرف سے اُس دوکان پر پہنچ گئی ہے۔“
”اور ان جو ہر یوں کا کیا بنا جن کے زیورات غالب ہوئے تھے۔“

”مُحید صاحب اُمیں اس نظریے کا قائل نہیں ہوں کہ ایک گروہ یہ سارے کام انجام دے رہا ہے۔ وہ کوئی اور ہیں جو اس ہنگامے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آصف کی مرمت ہو جانے کے بعد سے پھر کوئی کیس نہیں ہوا۔ نہ وہ کتاب کی اشال سے اٹھائی گئی اور نہ لوت مار کی کوئی واردات ہوئی۔“

”جہنم میں جھوٹکے سب کو..... میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ لڑکی لگڑوں میں کیوں اتنی لچکی لیتا ہے۔“

”اذیت پسندی کی سب سے بھیاک قسم..... اپوزٹ سکس کو جھسی بے چارگی میں بیٹلا کر دینے کا رجحان اکثر قتل و غارت گردی سکھی لے جاتا ہے۔ اسکی ہستیاں خود بھی آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر جنسی جونوں میں بیٹلا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ اپنا تختہ مشق بانے کے لئے یا تو جسمانی اپا ہجوں کو تلاش کرتے ہیں یا ذہنی اپا ہجوں کو۔“
”ذہنی اپا ہج..... یعنی اصطلاح سننے میں آرہی ہے۔“

”میں ذہنی اپا ہج انہیں کہتا ہوں جن کا کوئی جذبہ کسی خیال کے تحت اچانک سرداڑ جاتا ہے۔ یا خیال اُس جذبے پر اس شدت سے حاوی ہو کر جذبے کے اظہار کی راہ میں دیوار بن جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ذہنی اپا ہج بنائے جاتے ہیں۔ اس قسم کی اذیت پسند عورتوں اس کے لئے اپوزٹ سکس کا کوئی آسیا فرد مفتک کرتی ہیں جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ باصول آدمی ہے۔ وہ اُس پر بڑی محنت کرتی ہیں۔ اُسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں اور پھر اجتنابی بیجانی لمحات میں اُس کے ذہن کی کسی دھقٹی ہوئی رُگ پر انگلی رکھ دیتی ہیں اور وہ اسی لگڑے کی طرح مل کھانا رہ جاتا ہے۔“

”وزراہمہر یے۔“ مُحید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”آخر اتی در دسری کیوں مول یتی ہیں۔“

اب کیا ہو گا؟

فریدی نے پر تشوش انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”بُونگا اسٹیٹ کا وجود ہے اور سرفصل مجید وہاں کا حکمران بھی تھا۔ اب اس کی حیثیت ایک بڑے زمیندار کی ہے۔“
”آپ ذاتی طور پر واقف ہیں اُس سے؟“
”نہیں۔“

مُحید ناشتے کی میز پر دیر سے پہنچا تھا۔ تو قع نہیں تھی کہ فریدی سے ملاقات ہو جائے گی لیکن وہ موجود ملا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے انداز میں بے تعلقی پائی جا رہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ناشتہ کرتے وقت اخبارات میں کھو گیا ہو اور پھر ناشتے کے وقت بھی اُن سے نجات نہ ملی ہو۔ لیکن مُحید تو بے چین تھا کہ کسی طرح پچھلی رات کی کہانی اس کو سنا دے۔ بات شروع کرنے میں کیا دریگتی۔ فریدی خاموشی سے سترہا اور پھر اتنا ہی بولا تھا کہ اُسے بُونگا اسٹیٹ اور اُس کے والی کا علم ہے۔

مُحید منتظر رہا کہ شانکوہ پچھہ اور بھی کہے لیکن وہ تو پھر اخبار میں کھو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ ”آصف والے کیس کے سلسلے میں ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔“

”کیا.....؟“ مُحید ہمہ تن گوش ہو گیا۔
”جن جن دو کانسروں کا نقصان ہوا تھا انہیں اس کا معاوضہ کسی نہ کسی صورت میں مل گیا ہے۔“
”میں نہیں سمجھا.....!“

”اپنے لئے فرست کا ایک لمحہ بھی میرے پاس نہیں۔“

”خیر.....! حمید پاپ میں تمبا کو بھرتا ہوا بولا۔“ میں انتقام لینا چاہتا ہوں۔“

”کس سے؟“

”فرضل مجید والی بونگا اشیٹ سے۔“ حمید ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

”بکواس نہ کرو۔“

”آخروہ مردود مجھے اپنے ساتھ کیوں لے گیا تھا۔“

”میں کیا بتا سکتا ہوں؟“ فریدی نے کہا اور پھر اخبار دیکھنے لگا۔

”خیر.....! میرا معاملہ ہے۔ میں ہی دیکھ لوں گا۔“

”آپ کی قوت پرواز سے میں بخوبی واقف ہوں۔“ فریدی نے اخبار سے نظر ہٹائے

بغیر رد لجھے میں کہا۔

”آپ دیکھیں گے۔“

”جی ہاں..... یہی دیکھوں گا کہ حمید صاحب بھی لنگڑاتے پھر رہے ہیں۔“

”یقیناً..... ان لوگوں نکل پہنچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ لڑکی میری

بے بی سے کس طرح محظوظ ہوتی ہے۔“

”خواہ مخواہ وقت نہ ضائع کرو۔“

”پلیز.....! میری یہ خواہیں پوری کر دیجھے۔ اس مردود نے میرے ساتھ کوئی اچھا برداز

نہیں کیا تھا۔“

”سوق لو.....! بارسون خ آدمی ہو گا۔ ورنہ اس طرح کٹلے بندوں نہ پھرتا۔“

”اب شائد مجھے اپنے کانوں میں پکھلا ہوا سیسرہ دالنا پڑے گا۔“ حمید نے ناخنگوار لجھے

میں کہا۔

”وہ کس لئے فرزند۔“

”آپ کی زبان سے اینا جملہ سننا پسند نہیں کرتا۔ ارے ہم اس لئے پچھے ہٹ جائیں کہ

”یہ وہ عورتیں ہیں حمید صاحب جنہیں اپنے آس پاس کی زندگی میں اپنی بے قسم کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوئیں تو اس قسم کے طریقے اختیار کر کے اپنی انا کی تسلیکن کرتی ہیں۔ جب وہ کسی کو جسمی بے بی میں بنتا۔ بیکھتی ہیں تو انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی گھر میلو بے قسمی کو تھوڑی دری کے لئے بھول جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہیں چیز ان کی تسلیکن کا ذریعہ بھی بنتی چلی جاتی ہے۔ یعنی مقامیں کو بے بی میں جتنا کرتے وقت وہ خود جس قسم کے بیجان میں ہوتی ہیں وہی ان کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔“

”بس سمجھئے.....! ورنہ میرا دماغ الٹ جائے گا۔ میں سیدھا سا آدمی ہوں اور سیدھی سادھی عورتیں مجھے پسند آتی ہیں۔“

”آپ ہی سچے حضرات ایسی عورتیں پیدا کرتے ہیں حمید صاحب۔“ فریدی نے تلخ لجھ میں کہا۔ ”مجھے ان بے چاریوں سے ہمدردی ہے۔ صدیوں سے یہ اس احساس کا شکار رہی ہیں کہ ان کا صرف ایک ہی مصرف ہے۔ حالانکہ ان کی بھی شخصیت ہوتی ہے۔ ایک سوچتا ہوا ذہن بھی رکھتی ہیں۔ اگر ان کی ایک کے علاوہ دوسرا جتوں کو نظر انداز نہ کیا ہوتا تو آج کی بعض عورتیں ایسی ذہنی یا جسمانی بے راہ روی کا شکار ہرگز نہ ہوتیں۔ گھر میلو بے قسمی بھی انہیں اس راہ لے جاتی ہے۔ وہ تھوڑی ہی دری کے لئے خود کو دنیا کی اہم ترین عورتیں دیکھوں کر کے ایک طرح کی طمائیت حاصل کر لیتی ہیں۔“

”بس صاحب۔“ حمید دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کرتا ہوا بولا۔

”میں کچھ نہیں سننا چاہتا اور پھر کسی ایسے آدمی سے عروتوں کے بارے میں کیا سنوں جس کا علم ان کے متعلق مخفی کتابی ہے۔ تجربے کا مرہون منت نہیں۔“

”تجربہ کار صاحب۔ کسی دن عقل ٹھکانے آجائے گی۔“

”خداؤہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہوں میں۔ لیکن کیا مردوں میں ایسے جانور نہیں پائے جاتے۔“

”یقیناً پائے جاتے ہوں گے۔“

”آپ نے اپنے بارے میں بھی بھی کچھ سوچا۔“

وہاں پہنچا رہا تھا۔

حمد آج دیر سے پہنچا..... روئی اور تو قیر اس سے پہلے ہی آچکے تھے۔ پچھلے دونوں حمید نے قطعی کوشش نہیں کی تھی کہ روئی سے دو باقی ہی کر لینے کا موقع ہاتھ آجائے لیکن اس نے محبوں کیا تھا کہ وہ اس میں دچپی لے دی ہے۔ ہونا بھی چاہئے تھا۔ وہ تو قیر سے کہیں زیادہ خوب رو در جوان ”لنگڑا“ تھا۔ چیزے پر فریدی نے پلانک میک اپ کیا تھا اور حمید کی درخواست پر اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ ”گلفامیٹ“ اصل سے بھی بڑھ جائے۔ آج بھی روئی اس کی بیساکھی کی کھٹ کھٹ پر چوک کر ان کی طرف مزی تھی اور تو قیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کبھی اُسے گھورنے لگتا تھا اور بھی حمید کو۔

ان کے قریب سے گذرتے وقت حمید کی بیساکھی آج کی ایکم کے مطابق میز کے پائے سے نکلائی اور وہ لاکھڑا کر گرنے ہی والا تھا کہ روئی نے جلدی سے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ تو قیر نے بھی اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن روئی نے تھمنانہ انداز میں اُسے روک دیا تھا۔

بازو کا سہارا دیئے ہوئے اس نے حمید کو اپنی ہی میز پر بیٹھنے کی پیش کش کی۔ ”شش..... شکریہ محترمہ..... ہم تو روئی کی توکری کی چیز ہیں۔“ حمید بیٹھ کر ہانپا ہوا بولا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اپنی اس حالت پر شرمندہ ہو اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ لوگوں نے اُسے اس حال میں دیکھا تو نہیں۔“

”نہیں..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ روئی نے خالص ہمدردانہ لمحے میں کہا۔ ”سو سائی کا ہر فرد اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔“

”لیکن میری کوئی اہمیت نہیں۔“ حمید کے لمحے میں درد تھا۔ ”کیوں جناب..... آپ کی کوئی اہمیت کیوں نہیں۔“ تو قیر نے زہریلے لمحے میں کہا۔

”میں اس بھرپر دنیا میں بالکل تھا ہوں۔“ ۱ ”شاعر بھی معلوم ہوتے ہیں۔“ تو قیر کا لبجداب بھی طنزیہ تھا۔ حمید نے بظاہر اس کا کوئی نوٹ نہ لیا لیکن دل ہی دل میں کباب ہوتا رہا۔

کہیں وہ بار سون خ نہ ہو۔“

”لنگڑا بننا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ ہکلا۔ میڈیکل ایگزامینیشن لنگڑے پن کا پول کھول سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”کیا وہ میر امیڈیکل ایگزامینیشن کرانے بیٹھے گا۔“ حمید تھوڑی در بعد بولا۔

”ہمکن تو نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ تمہیں بتا بھی چکا ہے کہ لنگڑے اس کی لوکی کی کمزوری ہیں۔ یہ نہ بھولو کرو وہ کسی نہ کسی جرم میں بھی ملوث ہے۔ لہذا اپنے قریب آنے کی کوشش کرنے والے ہر نئے آدمی کو پر کھنے کا خیال ضرور آئے گا اس کے دل میں۔“

”تو پھر میں کیا کروں مجھے بتائیے۔“

”خیر از راہ ہمدردی تمہاری ٹانگ توڑنے کی کوشش کروں گا۔“

”جی.....!“

”یعنی لنگڑے ہو جاؤ گے کچھ دونوں کے لئے۔“

”کیا مطلب؟“

”ایک ٹانگ کے پٹھے کچھ دونوں کے لئے اکڑ جائیں گے اور دنیا کا کوئی بڑے سے ڈاکٹر بھی نہ کہہ سکے گا کہ پھوٹ کی ٹاکارگی مصنوعی ہے۔“



کھٹ کھٹ بیساکھی فرش پر نئی روئی تھی اور میں پول کے ڈائینگ ہال میں روزانہ کے بیٹھنے والوں میں چمگوئیاں ہو رہی تھیں کہ آخر یہ ہوئیں لنگڑوں کا اٹھ کیوں نہ جا رہا ہے۔ پہلے تو ایک ہی آنا تھا اب ایک اور آنے لگا ہے۔

حمد تین دن سے آ رہا تھا۔ آج چوتھا دن تھا۔ وہ پچھلے دونوں اُن دونوں سے پہلے ٹا

”خیر..... خیر....!“ تو قیر زردتی مسکرا کر اپنا ہاتھ حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”خاتون روئی کی بھی خواہش ہے تو میں بھی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔“

”شکریہ جتاب۔“ حمید کا لہجہ بہت زیادہ دردناک تھا۔

”آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا مسر.....!“ روئی بولی۔

”ساجد میرا نام ہے۔“ حمید نے کہا۔

”تو قیر دل کے بُرے نہیں ہیں..... میرا نام روئی ہے۔“

”بیگم تو قیر..... میں ذرا ذرا سی بات پر ترجیدہ ہو جاتا ہوں۔“

”آپ غلط سمجھے۔“ روئی فس پڑی۔ ”یہ میرے شوہر نہیں ہیں۔ صرف دوست ہیں۔“

”اچھا..... اچھا..... میں معافی چاہتا ہوں محترمہ۔“

”کوئی بات نہیں۔“

”جب سے یہاں آیا ہوں لوگوں سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔ ملاز من تو اس دکھ کا مداوائیں ہو سکتے۔“

”جی ہاں قلعی.....! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہمیں اپنا بہترین دوست پائیں گے۔ تو قیر بہت اچھے آدمی ہیں۔“ روئی بولی۔

پھر مقامی ڈاکٹروں کی بات چل پڑی تھی لیکن وہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کس ڈاکٹر سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا جائے۔

”آپ فکر نہ کریں ساجد صاحب۔“ روئی نے کہا ”جو کچھ بھی ممکن ہو گا آپ لئے کیا جائے گا۔“

”شکریہ۔“ حمید بولا۔ اب وہ ایک زندہ دل آدمی کی طرح چک رہا تھا۔ لیکن یہ تبدیلی بتدریج ہوئی تھی۔ دوسروں کو سیکھی معلوم ہوا ہو گا جیسے دل پر سے غم کے بادل آہستہ چھپے ہوں۔“



اردو فیزر ڈاٹ کام

البتہ روئی کے پیہرے پر کیدیگی کے آثار تھے اور وہ اُسے بُری طرح گھور رکھی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب تو قیر اس سے نظریں چراہا ہے۔

”میں آپ کوئی دن سے یہاں دیکھ رکھی ہوں۔“ دعشا وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

”جی ہاں..... آپ کی وجہ سے۔“ حمید نے تو قیر کی طرف سے اشارہ کیا۔

”میری وجہ سے کیوں.....؟“ تو قیر چونکہ کرائے گھوڑے لگا۔

”خنا ہونے کی ضرورت نہیں جتاب۔“ حمید نے مغموم لمحہ میں کہا۔ آپ کے شہر میں اجنبی ہوں اور اپنے علی جیسے اپا ہجوب کی علاش ہمیشہ رہتی ہے مجھے۔“

”ول چھوٹا نہ کیجھ..... دنیا اتنی بُری جگہ نہیں ہے۔“ روئی بولی۔

”میں پیدائشی اپاچی نہیں ہوں خاتون..... دنیا اچھی طرح دیکھی ہے۔ تین سال گذرنے یہاں گل بیکار ہوئی ہے۔ تین سال سے میں ان کی شکلیں دیکھنے کو ترس گیا ہوں جو ہر وقت مجھ سے قریب رہنے کی کوشش کرتے تھے۔“

”تو کیا آپ کے سارے دوست آپ کو چھوڑ گئے۔“

”سب چھوڑ گئے..... اب میں ہوں اور میرے تین ملازم..... ایک سکریٹری ایک بادرچی اور ایک ائٹنڈنٹ..... بغرض علاج یہاں آیا ہوں۔“

”علاج..... تو کیا یہ قابل علاج بھی ہے۔“

”ابھی تک ڈاکٹروں نے اعلاج ہی بتایا ہے۔ لیکن میں نا امید نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی نہ کوئی اسی شلسٹ ضرور میری مشکل حل کرے گا۔“

”یقیناً..... یقیناً.....!“ روئی کا لہجہ بے حد ہمدردانہ تھا۔

”ہاں تو جتاب.....!“ حمید نے تو قیر کو مخاطب کر کے کہا۔ ”میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔“

”لیکن میرا ساتھ تو کسی نے بھی نہیں چھوڑا.....!“ تو قیر نے سرد لمحہ میں کہا۔

”تو قیر.....!“ روئی نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔



تو قیر بھی اس کے ساتھ آیا تھا اور وہ آسے سہارا دے کر گاڑی سے اتار رہی تھی۔
جید نے جلد از جلد اپنا موڈھیک کر لینے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔
دونوں کو ڈرائیورگ روم میں لاتے وقت اس نے کہا۔ ”یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ
تو قیر صاحب کو بھی ساتھ لائی ہیں۔“

”ازادہ تو نہیں تھا۔“ وہ تو قیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی ”لیکن شرط ہو گئی ہے ان سے۔“
”شرط۔۔۔ کیسی شرط۔۔۔“

”وزراطیناں سے پہنچ جائیں تو بتاؤں۔۔۔ اور۔۔۔ یہ بوزھی عورت کون ہے۔“

”میری سیکریٹری۔“
”سیکریٹری۔“ روہی کے لمحے میں حیرت شکی۔

”مجی ہاں۔۔۔!“

”کیا کوئی جوان عورت نہیں مل تھی۔“

جید نے ٹھنڈی سانس لی اور اس کی آنکھوں میں غم کی ایک لمبی نظر آئی پھر کہیا نے
انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”اب مجھ میں تاب نہیں رہی۔۔۔ اس پیاری سے قبل ایک جوان ہی
سیکریٹری تھی۔ لیکن مرض کا حملہ ہونے کے بعد وہ ملازمت چھوڑ گئی۔ تب سے میں نے عہد کیا
ہے کہ بوزھی ہی عورت رکھوں گا۔۔۔ وہ مجھے ماں سایار دیتا ہے۔۔۔ وہ اس طرح کبھی مجھ سے
الگ نہیں ہو گئی کہ میرا دل ٹوٹ جائے۔“

”واقعی آپ بہت دلکھی ہیں۔“

”تو قیر اس دوران میں اپنا نچلا ہوت چھاڑا رہا تھا۔ ان کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا۔“
”ہمیں وقت نہ ضائع کرنا چاہئے۔۔۔ پونے سات بجے کا وقت مقرر رہا تھا۔“

”کہیں چلتا ہے۔“ جید نے پوچھا۔
”ہاں۔۔۔!“ روہی نے مغموم لمحے میں کہا۔ ”لیکن میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گی تمہیں
دکھ ہو گا اور میں تمہیں مغموم دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ تو قیر ہی کو مایوسی ہو گئی۔“

کوئی شاندار تھی۔ جید بیساکھی کی مدد سے طویل برآمدے میں لگڑا ہا پھر رہا تھا۔
سے پول میں روہی سے مل بیٹھنے کو آج تیرا دن تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آج اس
کی قیام گاہ پر ملے گی۔ جید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ مردوں بھی نہ ساتھ لگا پڑا آئے۔“

اس قیام گاہ کا انتظام فریدی نے کیا تھا۔ ملازمین بھی اسی نے فراہم کئے تھے اور یہ ایسے
افراد تھے جن کی شکلیں جید نے پہلے بھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان میں دو قوی یہکل مرد تھے اور ایک
بوزھی عورت جو جید کی سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھی۔ مردوں میں ایک باور بھی تھا اور
دوسرے اور پر کے دوسرے کام کرنے والا۔ ایک کاتام طاہر تھا اور دوسرے کارشید۔

اس وقت جید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ خواہ مخواہ کس مضبوط میں پڑ گیا۔ ظاہر تھا کہ روہی کے
ساتھ زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے گزارے جاسکتے تھے۔ اس کے بعد بقیہ وقت کو لگڑے پن کی
نذر کر دینا کہاں کی عکتمدی تھی۔

یقیناً عکتمدی نہیں تھی۔ لیکن وہ کہ بھی کیا سکتا تھا۔ کوشش بھی کرتا تو دوسری ناگ کو جبکہ نہ
دلے سکتا۔ فریدی نے کہی گھنٹے تک اس ناگ میں کسی قسم کے سیال کی ماش کرائی تھی اور یہ رے
پر یقین انداز میں کہا تھا۔ ”کم از کم پندرہ دن کے لئے بے کار ہوئے تم۔۔۔ کسی دن کوئی لاکی ہی
تمہاری موت کا باعث بھی بنے گی۔“

ناگ بالکل ہی بے حس ہو کر رہ گئی تھی۔ بیساکھی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔
اُسے یاد آیا۔ فریدی نے یہ بھی تو کہا تھا کہ ہر اسے بڑا میڈیکل ایگرزا میٹھن بھی اس پر
کو کار آمد ثابت نہیں کر سکے گا۔

وہ ٹھلٹا اور سوچتا رہا۔۔۔ ٹھیک چھ بجے روہی کی گاڑی کپاٹ میں داخل ہوئی۔ جید کی
بیساکھی کی ”دھکت دھکت“ رک گئی تھی۔

”اوہہ۔۔۔ مردوں۔۔۔!“ وہ تو قیر کو بھی گاڑی میں دیکھ کر بڑا یا۔

"بات کیا ہے؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔"

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی..... اچھے دوستوں کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔

اگر کہیں پونے سات بجے پہنچتا ہے تو ہم کافی کا ایک کپ تو ہی ہی سکیں گے۔"

"ہاں اگر یہ چورہ منٹ کے اندر اندر ملکن ہو، تو قیر نے خشک بچہ میں کہا۔

حید نے بوڑھی عورت سے کافی کے لئے کہا اور وہ چلی گئی۔

"میں کتنا خوش ہوں آپ لوگوں کی آمد پر..... بیان نہیں کر سکتا۔"

دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ حید کو ان کی یہ خاموشی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔

لیکن اس نے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "آپ نے کسی شرط کا تذکرہ کیا تھا۔"

"فی الحال ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ کیا ایک دوست کی حیثیت سے

تم مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتے۔" روی نے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بے اعتمادی کا۔"

اتھے میں کافی آگئی۔ شامد پانی پہلے ہی سے تیار تھا۔

کافی ختم کر لینے کے بعد حید نے کہا۔ "کیا میں اپنی گاڑی بھی نکلواؤں؟"

"کیا ضرورت ہے۔ میری گاڑی میں چلو۔"

کچھ دیر بعد گاڑی کپاٹ ہے باہر نکل رہی تھی۔ دونوں لنگڑے پچھلی سیٹ پر تھے اور روی گاڑی ڈرائیور کر رہی تھی۔ حید سوچ رہا تھا کہ خاصی محکمہ خیز اور دچپ پ ہو گیا ہے۔ پہنچنے کو جی چاہا تھا لیکن پھر وقت کی زناکت کا خیال کرتے وقت اس خواہش کا گلا گھونٹ دینے ہی میں مصلحت نظر آئی۔

ویسے اسے الجھن بھی تھی۔ اس شرط کا خیال آیا جس کا تذکرہ روی نے کیا تھا۔ تو کیا اس وقت کا سفر اسی شرط سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی الجھن دوڑ ہو گئی۔ گاڑی

”ہوں.....!“ فریدی سر ہلا کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا حیثیت ہے۔“ حمید چھپلا کر بولا۔
”کیا مطلب....؟“
”اس کیس میں میری کیا حیثیت ہے۔“
”کس....؟“ فریدی نے حیرت سے کہا اور پھر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”میں نے یہ دردسر
محض تمہاری خواہش کی بناء پر مولیا ہے۔ تم فضل مجید اور روحی سے انتقام لینا چاہتے تھے۔“
”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ....!“
”میرا وقت نہ بر بار کرو..... یہ بتاؤ کہ اب کیا چاہتے ہو۔“
”میری ناگ کامیڈی یکل آگز ایمیشن ہو چکا ہے۔ اب زیادہ دیر کٹ لکڑا اپنی برداشت
نہیں کر سکتا۔“
”ٹھیک ہے..... اب اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم اس کھلیل کو فوری طور پر ختم نہیں
کرنا چاہتے تو تمہیں خود کو لکڑا اپنی پوز کرتے رہنا پڑے گا۔“
”آخربک تک....؟“
”حمدی اتم ہوش میں ہوانگیں۔ کیا تم میری کسی ایکسیم پر عمل کر رہے ہو۔“
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔“
”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس پار کچھ کر بیٹھنے کے بعد بھی تمہاری
سمجھ میں نہیں آ رہا ورنہ عموماً تم اس کے عادی رہے ہو کوئی حرکت کر بیٹھنے کے بعد ہی.....!“
”خدا کے لئے میرے ذہن کو زیادہ نہ الجھائیے۔“ حمید بات کاٹ کر بولا۔
”اچھا تو پھر تم بھی خاموش یعنی..... میں اس وقت کچھ سوچ رہا ہوں۔“
”کیا اسی کیس کے بارے میں....؟“
”اس تصویر کے دشمن کے بارے میں جو کتابوں پر سے صرف ٹائیبل ڈیزائن چاہا ہے
جاتا ہے۔“

ڈاٹ کام

تقریباً صرف کھکار کر رہا گیا۔
گاڑی تیز رفتاری سے راستے کر رہی تھی۔
”اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ تقریباً پچھے دیر بعد پوچھا۔
”تمہیں تمہارے گھر چھوڑیں گے۔“ روحی نے سرد لمحے میں جواب دیا۔
”لک..... کیوں....؟“
”میں آج ساجد کو اپنی لاں بیری دکھاؤں گی۔“
”مم..... میں بھی چلوں گا۔“
”تم پہلے ہی دیکھے چکے ہو..... اس لئے تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔“
”حید چکلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچ رہا تھا دیکھنے اب کیا ہو؟“

لنگڑوں کی شامت

”ہوں.....!“ فریدی پر ٹکر انداز میں بولا۔ ”تم نے اس کی لاں بیری دیکھی۔“
”یہ لڑکی..... میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔“
”کیوں....؟“
گھر لے گئی اور منہ چھلانے پڑھی رہی۔ میں نے پوچھا لاں بیری کب دکھاؤ۔ کہنے لگی
مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے لنگڑوں سے نفرت نہ ہو جائے۔ میں نے اس خدشے کی وجہ پر چھپی تو
بولی۔ تقریباً کی طرح تم بھی حاصل اور کہنے ناٹبت ہو سکتے ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ میں صرف اسی
ٹک محدود رہوں۔ میں نے کہا یہ زیادتی ہے اس پر اس نے سڑا سامنہ بنا کر کہا کچھ دنوں بعد تم
بھی مجھے اپنی ملکیت بخشنے لگو گے۔ حالانکہ مجھے صرف بے بی سے پیار ہے۔ یہ بے بی مجھے کسی
خارش زدہ کتنے میں بھی نظر آ سکتی ہے اور میں اسے بھی گلے لگا سکتی ہوں۔“

اردو فیز

حمدہ راسامنہ بنائے ہوئے پاپ میں تباہ کو بھرنے لگا۔



پہنیں کس طرح چھپتا چھپتا فریدی تک پہنچا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کیا حاصل ہوا کہ بیکار ہو جانے والی نائنگ دوبارہ کار آمد ہو گئی تھی۔ دوسرا سیال عجیب تھا۔ جلد سے مس ہوتے ہیں ایسا لگا تھا جیسے گوشت اور پٹوں سے گزرتا ہوا ہڈی سے جانکرایا ہو۔ پھر ان کا رد عمل شروع ہوا تھا اور اس نے محشیوں کیا تھا جیسے بے جان رگوں اور پٹوں میں مکھا و پیدا ہو گیا ہو۔

اب اس وقت وہ اپنی عارضی قیام گاہ پر اپنی اس عارضی طور پر مظلوم ہو جانے والی نائنگ سے باقاعدہ طور پر کام لے رہا تھا۔

کلاک نے جیسے ہی گیارہ بجائے کسی نے باہر وزینگ بیل کا بٹن بھی دبایا اور تیر تم کی آواز سے پوری عمارت گونج آئی۔

کون ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچا۔ آج روئی بھی نہیں آئی تھی۔ کیا اتنی رات گئے وہ آئی ہو گی۔ بہر حال ملازم نے کچھ دیر بعد آ کر اطلاع دی کہ روئی اور تو قیر ڈرائیگ روم میں اس کے مختار ہیں۔

حمدہ نے سلپینگ گاؤں پہنا اور بیساکھی سنجان کرڈ رائیگ روم کی طرف چل پڑا۔

”آج ہم دوقلوں ہی بڑے اچھے موڈ میں ہیں۔“ روئی اسے دیکھ کر چکی۔

”بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے کرم فرمایا۔ مجھے بھی بیندازی تھی۔“ حمدہ بولا۔

”بور تو نہ ہو جاؤ گے۔“

”کیا بات کرتی ہیں آپ.... آپ لوگوں کی محبت سے بور ہو جاؤں گا۔“

تو قیر خاموش تھا۔ حمدہ نے اس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں دیکھے تھے۔

اردو فائز ڈاٹ کام

”اس سلپینگ گاؤں میں تم بڑے اچھے گلتے ہو۔“ روئی نے کہا۔

اور حمید شرما جانے کی ایکنگ کرتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر تو قیر سے نظریں میں اور جھک گئیں۔ اس نے تو قیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہست دیکھی تھی۔

”لیکن ہم بیکار تو نہیں بیٹھیں گے۔“ روئی نے کچھ دیر بعد کہا۔ حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں کہتا ہوں.....!“ تو قیر کی آواز پھنس گئی۔

”تم کچھ بھی کہتے نہیں..... کہتے بھی ہو تو میں سننے پر تیار نہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم روزانہ ایک ہی قسم کی تفریخ کریں۔“

”روئی..... ہم..... میرا مطلب تھا.....!“

”اچھا..... اچھا..... میں کچھ نہیں سنتا چاہتی۔“

حمدہ نے محشیوں کیا جیسے روئی کا مودہ بگزگا ہو۔ وہ کچھ دیر تک پھولی بیٹھی رہی پھر غرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تم دونوں ہی کان کھوں کر سن لو..... میں ہمیشہ اپنے دوستوں پر چھائی زن بننے کی عادی ہوں۔“

”میں ہاں..... میں سمجھتا ہوں..... آپ کے بارے میں میرا ایسی اندازہ تھا۔“ حمدہ نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن مجھے تمہارا یہ انداز بھی پسند نہیں۔ جب مجھے غصہ آتا ہے تو میرا کوئی دوست میرے سامنے مسکرنے کی جرأت نہیں کرتا۔“

”بڑی مصیبت ہے۔“ حمدہ مسکراتا ہوا بولا۔

”کیا مصیبت ہے۔“

”دوسروں کو غصے میں دیکھ کر مجھے بھی آتی ہے۔“

”بکواس ہے..... نامکن.....!“

بچپن ہی سے اس بُری عادت کا شکار رہا ہوں اور اب تو یہ فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔

بچپن ہی سے میرے پاپا مجھے ڈائٹنٹھے تھے تو مجھ پر بُری کا دورہ پڑ جاتا تھا۔

”پچھیں کیوں میں تمہیں اتنا پسند کرنے لگی ہوں۔ ورنہ اپنی خواہشات کے آگے سرہ جھکانے والے دستوں کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں۔“

”میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں مادام روئی جنہیں عورتیں جوتے کی نوک پر رکھ سکتیں۔ لیکن کیوں کے خرے ناپسند ہونے ہی کی بناء پر میں نے بوڑھی سیکریٹری رکھ چھوڑی ہے۔“

”لیکن پہلے تو تم نے اس کی اور کوئی وجہ تائی تھی۔“

”میں پانچ ہزار لفظی منٹ کی رفتار سے جھوٹ بول سکتا ہوں۔“

”تم بالکل مختلف ثابت ہو رہے ہو میرے اندازے سے۔“

”میں پھر کہتا ہوں مادام روئی۔“ ”دفعتاً تو قیر بول اٹھا۔“ ”محض آپ کی وقت حاصل کرنے کے لئے یہ ہماری بیز کے قریب لڑکھڑایا تھا۔“

”تم پھر بولے۔ میں نے کہا تھا خاموش رہنا۔“

”میری ہی چھت کے نیچے میری توہین کر رہے ہو۔“ ”حید تو قیر کو گھوڑتا ہوا بولا۔“

”میں اب کچھ نہ کہوں گا۔“ ”تو قیر نے بہت زیادہ جلاہست کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کے خیال سے خاموش ہوں مادام روئی ورنہ میسا کھی مار کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیتا۔“ ”حید بھنا کر بولا۔“

”تم ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔“ ”روئی مسکرائی۔“

”تو قیر کتاب ہو کر رہ گیا تھا اس ریمارک پر۔۔۔ حید نے یہی محسوس کیا۔

”کافی یا چائے مادام روئی۔“ ”حید نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اپنے لئے ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن تم سگریٹ پیتے ہوئے بالکل اخجھے نہیں لگتے۔“ ”روئی منہ بنا کر بولی۔“

”سگریٹ تو میں نہیں چھوڑ سکتا۔“

”میں کب کہہ رہی ہوں۔ میں نے تو صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔“

”مجھ سے کبھی کچھ کہہ کر دیکھئے۔“ ”تو قیر بولا۔“

”میرے ساتھ یہ نہیں چلے گی۔“

”جبوری ہے محترم روئی۔“

”کیا کہا۔۔۔؟“ ”روئی نے غصب تاک انداز میں آنکھیں نکالیں۔“

”حید ٹھنڈا پڑا۔“

”یہ کیا نامعقولیت ہے۔“ ”دفعتاً تو قیر دھاڑا اور حید کشم جانے کی ایکنگ کرتا ہوا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا تم بالکل ہی غیر صحبت یافتہ ہو۔“ ”تو قیر نے اس سے پوچھا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مادام روئی کہہ رہی ہیں کہ انہیں غصے میں کسی کی بھی ہنی پسند نہیں آتی۔“

”میں سن رہا ہوں سستر تو قیر۔۔۔!“ ”دفعتاً حید کا مودہ بھی بدلتا گیا۔

”تم اپنا لہجہ تھیک کرو۔“ ”تو قیر کی آنکھیں گویا اٹھی ہی پڑیں۔“

”تم کو اس بند کرو۔۔۔ اور چلے جاؤ یہاں سے۔“ ”دفعتاً روئی اُسی پر اٹ پڑی اور تو قیر ہکابکارہ گیا۔

”حید کو بھی اس پر حیرت ہوئی تھی۔ لیکن اس نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ تو قیر تو سنا نے میں آئی گیا تھا۔

”تم دونوں ہی ایک دوسرے پر اپنی برتری کبھی نہ جتا گے سمجھے۔“ ”روئی نے مریبانہ لجھ میں پھر اپنے غصے کا اظہار کیا۔

”تو قیر نے سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔ لیکن حید شرات آمیر مسکراہست کے ساتھ روئی کو دیکھے جا رہا تھا۔

”تم حق مجھ پیچن میں بھی سرکش رہے ہو گے۔“ ”روئی نے اس سے کہا۔

”دلکھرے پن کی وجہ سے میری روں مضمحل نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی وقت طور پر پڑ مردہ ہو جاتا ہوں۔“

فضل جید کرے میں داخل ہوا۔ اُس کی آنکھیں غصے سے اٹلی پڑ ری تھیں۔

تمہوڑی دری تک قہر آؤ دنظروں سے دنوں کو دیکھا رہا پھر بولا۔

”اب یہ دوسرا لئگڑا..... روئی میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“

”ذیڈی پلیز.....!“

”شش اپ.....!“

”آپ زیادتی کر رہے ہیں۔“

”میں کہتا ہوں چپ رہو۔“

”اچھی بات ہے..... تو خفار ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کیا آپ کی دوستی عورتوں سے نہیں۔“

”تو وہ لئگڑی ہیں اور نہ گوگی بھری ہیں۔“

”تو کیا مجھے اس کا بھی حق حاصل نہیں کہ اپنے پسند کے آدمیوں سے مل سکوں۔“

”ارے تو لئگڑے۔“

”آپ کو میرے دوستوں کی توبین کرنے کا حق حاصل نہیں۔“

”یاد رکھو جائیداد سے محروم کر دوں گا۔“

”میری بھی بہت بڑی جائیداد ہے۔“ جید نے غصے لجھے میں کہا

”تم چپ رہو جی۔“

”ذیڈی پلیز..... میں ابجا کرتی ہوں۔“ روئی پھر ڈھلی پڑ گئی۔

”میں آج اس کا فضلہ کر کے رہوں گا۔“

”آپ میرا کچھ نہیں بھاڑ سکتے..... میں ساجد سے شادی کروں گی۔“

”کیا کہا.....؟“

”ساجد سے شادی کروں گی۔“

”تم آؤ ہو۔“ روئی نے لاپرواں سے کہا اور پھر جید کی طرف متوجہ ہو گئی۔ جید نے تو قیر کے چہرے پر کھسیا ہٹ محسوس کی لیکن تو قیر اب اس سے بھی نظریں چارہ تھا۔

دفعتا وزینگ بدل کی تیز آواز ایک بار پھر پوری عمارت میں گنجی اور روئی سوالیہ انداز میں جید کو گھونٹنے لگی۔

”کیا اور کوئی بھی ہے اتنی رات لگئے آنے والا۔“ اُس نے اس سے پوچھا۔

”کوئی بھی نہیں..... آپ دنوں کے علاوہ اور کسی سے یہاں میری جان پہچان نہیں۔“

”تو پھر..... تو پھر..... وہ ذیڈی ہی ہوں گے۔“ وہ بوکھلانے ہوئے لجھے میں بولی۔ ”کی دن سے میری ٹوہ میں ہیں۔“

تو قیر بھی اس بات پر کچھ نہیں سانظر آنے لگا۔ جید نے احتفانہ انداز میں پلکشی جھپکائیں۔ یہیک اسی وقت ملازم ڈرائیگردم میں داخل ہوا اور جید کی طرف کسی کا وزینگ کا رذہ بڑھادیا۔

”اوہ..... یہ کون صاحب ہیں..... آپ نے میں نام تو بتا دیا تھا اپنے والد کا۔ سرفعل جید.....!“ جید کا رذہ پر نظر جائے ہوئے بڑھایا۔

”خداجم کرے..... اب میں کیا کروں۔“ روئی بڑھا۔

”آپ دوسرے کمرے میں چلی جائیے۔“ جید نے تجویز نہیں کی۔

”لیکن میری گاڑی تو کمپاؤٹر میں موجود ہے۔ وہ کسی طرح بھی دھوکا نہ کھا سکیں گے۔“

”اچھا تو پھر میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔“ تو قیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”ہاں..... یہ یہیک ہے۔ کم از کم یہ تو ہو گا ک.....!“ وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔

جید نے بھی بوکھلا جانے تک ایکٹنگ کرتے ہوئے چھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور تو قیر اٹھ کر پیسا کھی میلتا ہوا پردے کے پیچے غائب ہو گیا۔

”جید نے ملازم سے کہا۔ ”انہیں یہاں لاو۔“

ملازم کے چلے جانے کے بعد جید اور روئی خاموش ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

نہ ہوگا۔
”اچھا چلئے یہی سکی..... لیکن دولت مندی ہی تو سب کچھ نہیں ہے۔“

”تو کیا یہ توقیر سے زیادہ لٹکرا ہے۔“ اس کے ڈیڈی نے بے حد زہر میلے لجھے میں کہا۔

”خدا کے لئے ڈیڈی بھجنے کی کوشش کیجئے۔“

”تو پھر تو قیر سے زیادہ گدھا ہو گا۔“

”ڈیڈی.....!“

”شش اپ.....!“ اس نے جیخ کر کہا اور حمید سے بولا۔ ”کیوں شامت آئی ہے تھہاری۔ یہ لڑکی صحیح الدماغ نہیں ہے۔ کل تک تو قیر پر جان دیتی تھی۔“

”ڈیڈی.....!“ وہ دھیانہ انداز میں جھینی۔

”تم پاگل ہو.....!“ فضل مجید دہڑا۔ ”لبکھوں کی بے بی سے اکتاب لذت تھہارا محبوب مشغله ہے۔“

”ڈیڈی میں بہت بھائیک ہو جاؤں گی۔“

”کیا اس سے زیادہ جتنی اب ہو بنی نوع انسان کے لئے۔“

”ساجد تم ان کے بہانے میں مت آنا۔ یہ ہر قیمت پر کوئی بہت زیادہ دولت مند داماد چاہتے ہیں۔“

”میرے پاس کروڑوں کی جائیداد ہے۔!“ حمید نے چھاتی ٹھوک کر کہا۔

”اوہ..... تو تم خود ہی جہنم رسید ہونا چاہتے ہو۔“

”نہیں آپ کافر زند رشد ہونا چاہتا ہوں..... اب غصہ ٹھوک دیجئے اور مجھے گلے لگا لجھے۔“

”شاہزاد تھہارا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”روجی اگر میری ایک ایک بھی الگ کردیں گی تو مجھے شکایت نہ ہوگی۔“

فضل مجید ایک کری پر گر کر ہائیٹے لگا۔

روجی سرجھکائے کھڑی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ وہ تو یہ بھول گیا تھا کہ تو قیر

”میں تمہیں ابھی گولی مار دوں گا۔“

”ذرما رکر تو دیکھو..... فوراً ہی میں بھی خود کشی کر لوں گا۔“ حمید بول پڑا۔

”بہت بہتر..... پہلے آپ خود کشی کر لجھے..... پھر میں اسے گولی مار دوں گا۔“ سرفصل نے طنزیہ لجھے میں کہا۔

”اتنا انوکھیں ہوں۔“

”روجی تمہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلتا ہے۔“

”یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اس لئے مجھے حق پہنچتا ہے کہ آپ کے اس روئے پر احتجاج کروں۔“ حمید جیخ کر بولا۔

”وہ چھپر رسید کروں گا کہ سارے دانت باہر آ جائیں گے۔“

حمدید نے جاپ میں پکھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اس کی طاقت کا اندازہ پہلے ہی سے تھا۔

”ڈیڈی..... ڈیڈی.....!“

”کومت....!“

”میں عدالت کا دروازہ نہ کھٹکاؤں گی اگر آپ نے مجھے میرا یعنی استعمال نہ کرنے دیا۔“

”لیعنی ایک لٹکڑے سے شادی کا....!“

”بار بار ساجد کی تو ہیں نہ کیجھے۔“

”میں اس کی دوسرا ناگم بھی بیکار کر دوں گا۔“

حمدید کا دل چاہا کہ لٹکڑے پن کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ ایک بڑی دلکش لڑکی کا باب پ ہے جہاں تھا وہیں بُک گیا۔

”ڈیڈی میں خود کشی کرلوں گی۔“

”بڑی خوشی ہو گی مجھے اگر تم ایسا کرسکو۔“

”آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ ساجد بھی کافی دولت مند ہے۔“

فضل مجید خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”تو قیر سے زیادہ دولت مند

اب تو حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”خدا کی پناہ..... یہ تو دونوں ہی لئنگز نے نہیں ہیں۔“ فضل مجید نے کہا اور خود لکھ رکھا تھا ہوا دیوار سے جالا۔

تو قیر کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں اٹلی پڑ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی لال لال انگاروں جیسی آنکھوں سے کچھ بھائی ہی نہ رہے رہا ہو۔
حمید بھی بیساکھی کی مدد کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

”یہ کیا ہو گیا.....؟“ روئی دردناک لبجے میں بولی۔
”میں لئنگزوں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گا۔“ حمید تر سے بولا۔ ”تم چاہو گی تو تانگیں رکھنے کے باوجود بھی تھا رے پیچھے گھستا پھروں گا۔ تم سے بھی نہ پوچھوں گا کہ اس سے پہلے تم کتنے لئنگزوں سے محبت کر چکی ہو۔“

”چپ ہو جاؤ دغا باز.....!“ روئی دانت پیش کر چکی۔

”بس اتر گیا محبت کا نشر.....!“ سرفصل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”آپ مطمئن رہئے محترم۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”شادی کے بعد بھی یہ دو چار لئنگزوں سے محبت کر سکتی گی مجھے اعتراض نہ ہوگا۔“

”مشت اپ.....!“ روئی اور اس کا ڈیپی بیک وقت چیختے تھے۔

”ابے تو چپ رہتا ہے یا نہیں۔“ تو قیر پھر حمید پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار سرفصل نے کچھ نہ کہا۔ رویالور والا ہاتھ بھی اس نے پیچے جھکا دیا تھا۔

حمدید اس بار پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس نے باہمیں جانب ہٹ کر الٹا داہنہ ہاتھ اس کی کپٹی پر چڑ دیا۔ یہ ہاتھ ایسا سدھا ہوا تھا کہ بھینسا بھی اپنی جگہ سے مل تو ضرور جاتا۔ لیکن تو قیر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوا چیسے وہ ہاتھ کسی ستون پر پڑا ہو۔

تو قیر پھر اس کی طرف گھوما اور حمید نے دینترہ بدلنے کی کوشش کی یعنی تقریر کی ٹانگ چل گئی اور وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا نکلیا۔

”دوسرا کمرے میں موجود ہے۔“

کچھ دیر بعد وہ حمید کی طرف مڑ کر مضمضل آواز میں بولا۔ ”اچھا تم دوسرا کمرے میں جاؤ۔ میں روئی سے اس منسلے پر تھائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہرگز نہیں۔ اگر آپ نے میری عدم موجودگی میں انہیں گولی مار دی تو میں کیا کروں گا۔“

”اچھا تو کیا تمہاری موجودگی میں ایسا نہیں کر سکتا۔“ سرفصل مجید نے آنکھیں نکالیں۔

”چلے جاؤ ساجد.....!“ روئی گھکھایا۔ ”جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کرو۔ اسی پر ہماری آنکھہ زندگی کا انحصار ہے۔“

”آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔“ حمید بیساکھی میک کر اٹھتا ہوا بولا۔

اس نے اپنی آنکھوں میں تشویش کے آثار پیدا کئے تھے اور احتقاد انداز میں باری باری سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ پر پڑہ ہٹا کر دوسرا کمرے میں داخل ہوا کسی نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔

بے خیالی میں پہلی نکفر فرش پر لے آئی تھی اور حلہ آور اس پر سوار ہو کر اس کا گلا گھوٹنے لگا تھا۔

حمدید اس جملے کے لئے تیار رہا۔ جتنی دیر میں وہ خود کو سنجھا لئے کی کوشش کرتا تو قیر کی گرفت اس کی گردان پر بہت سخت ہو گئی اور اب تو وہ اپنی جگہ سے مل بھی نہیں سکتا تھا۔

کانوں میں سیپیاں کی بیجنے لگی تھیں پھر آنکھوں میں انہیں را بھی چھانے لگا۔

دفعتا اس نے سرفصل مجید کی گرج سنی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو قیر الگ ہتو..... اسے چھوڑ دو۔ ورنہ گولی مار دوں گا..... یہ دیکھو میرے ہاتھ میں رویالور ہے۔“

حمدید کی گردان پر اس کی گرفت ڈھلی پڑ گئی۔

”کھڑے ہو جاؤ۔“ سرفصل مجید پھر گرجا۔

تو قیر اس پر سے اٹھ گیا۔

”پیچھے ہو گو.....!“ سرفصل مجید دہاڑا۔

دفعاً سرفصل کی آواز گوئی۔ ”مجھے بتاؤ کہم دلوں لیا بلا ہو۔ ورنہ زندہ دون لردوں گا۔ تو قیر جہاں ہو ہیں تھہرو۔۔۔ میں بڑی بے دردی سے گولی مار دیتا ہوں۔“ ”مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے ڈیڈی۔“ تو قیر نے نرم لمحے میں کہا۔ ”تمہیں اب کیا سمجھنے کی کوشش کروں۔۔۔ ساجد تم بھی اپنی جگہ تھہرو۔۔۔ بلنا نہیں ورنہ تم جانو۔“ حمید دیوار سے لگا کھڑا رہ گیا کیونکہ سرفصل کاریو اور پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گیا تھا۔ تو قیر نرم لمحے میں بولا۔ ”ڈیڈی۔۔۔ یہ بات اس کرے سے باہر نہیں نکلے گی کہ میں انگڑا نہیں ہوں۔“ ”تمہیں تو میں جیل بھجواؤں گا۔“ سرفصل غریا۔

اس پر تو قیر مسکرا کر بولا۔ ”جیسے میں تو تمہارے کرتوقتوں سے واقف ہی نہیں۔“ حمید نے سرفصل کو چوکتے دیکھا۔ وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر تو قیر کو گھور رہا تھا۔ پھر دفعتاً وہ تو قیر کے دل کا نشانہ لیتا ہوا بولا۔ ”میں سمجھ گیا۔ تم کوئی سرکاری جاسوس ہو۔“ تو قیر نہ پڑا اور حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں تو نہیں لیکن یہ ضرور ہے۔“ ”کیا مطلب۔۔۔؟“ ”مجھے شبہ تھا اسی لئے اس کی ناکارہ ناگ کا طینی معاشرہ کرایا تھا۔“ ”لیکن ڈاکٹر نے تو اسے ناکارہ ہی قرار دیا تھا۔“ روئی یوں۔

”چھ بھی۔۔۔ آپ دیکھیں یعنی رہی ہیں اسے۔۔۔!“ ”میں تو تمہیں بھی دیکھیں یعنی ہوں۔۔۔!“ روئی زہر لیے لمحے میں یوں۔ ”تم ملاز میں کو دیکھو۔“ سرفصل مجید تو قیر اور حمید کو گھوڑتا ہوا روئی سے بولا۔ ”میں انہیں یہیں ختم کروں گا۔“ ”بہت اختیاط سے ڈیڈی۔“ ”تم بے نکر ہو۔“ سرفصل مجید نے کہا اور روئی اس کرے سے چلی گئی۔

حمید نے ابھی تک تو قیر کے چہرے پر بے اطمینانی یا ابھن کے آثار نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے کسی بہت زیادہ دلچسپ گفتگو میں حصہ لے رہا ہو۔

دفعاً اس نے ہنس کر کہا۔ ”سرفضل! میں نے روئی کے احترام میں تم سے کھل کر گفتگو نہیں کی تھی۔ تم کم از کم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“ ”کیا مطلب۔۔۔؟“ ”تم آخ سرکاری جاسوسوں سے کیوں خائف ہو۔ ہمیں سرکاری جاسوس ہی کچھ کر مار کیوں ڈالنا چاہتے ہو۔“ ”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ سرفصل مجید غریا۔ ”یہی کر معمولی ہی مشاہدت ہر ایک کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔“ ”کیا مطلب۔۔۔؟“ ”تم سرفصل مجید سابق والئی یونیگ اسٹیشن نہیں ہو۔“ ”آ۔۔۔ ہم۔۔۔!“ سرفصل مجید نے طویل سانس لی۔ ”لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ مجھے روئی سے بے اندازہ محبت ہے اور میں قانونی طور پر اسے اپنا بنتا چاہتا ہوں۔“ ”کوواس کر چکے تم۔۔۔ اب مجھے بھی کچھ کہنے دو۔“ ”میں سن رہا ہوں۔۔۔!“ تو قیر نرم لمحے میں بولا۔ ”تم بھی کوئی اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ ورنہ لکھرے پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے۔“ ”میں کب کہتا ہوں کہ میں اچھا آدمی ہوں۔“ ”لیکن میں سرفصل مجید والئی یونیگ اسٹیشن ہی ہوں۔“ تو قیر نے زہر لیے لمحہ میں قبضہ لگایا اور بولا۔ ”میری معلومات بہت وسیع ہیں دوست! سرفصل مجید اس وقت مغربی برلن میں الیکٹریکس میں سرکھا رہا ہوگا۔“ ”میں اب تمہیں کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ ”میں اتنا حق نہیں ہوں کہ اتنی آسانی سے مار لیا جاؤں۔۔۔ میرا نام تو قیر ہے اور یہ بھی سنو کہ تمہارے کرتوقتوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ یہ گم نصیر کے پس سے تجویزی کی تھی تم نے علی پار

کی تھی۔ یاد کرو جب میں نے تم لوگوں کو اپنے پاکئے ہوئے مرغ کھلائے تھے اور پہلی بار میرا تعارف تم لوگوں سے ہوا تھا۔ اسی دن نیکم نصیر کی تجویز سے ہیروں کے دہاز غائب ہوئے تھے۔

”روجی کی واپسی تک بکواس کرلو۔ وہ ملازوں کا انتظام کرنے لگی ہے اس کے بعد.....

”چلو یہ ٹھیک ہے۔ بہت اچھی تجویز ہے۔“ سرفصل سرہلا کر بولا۔

”لیکن یہ بھی ذہن شین کرلو کہ میں یہ سب کچھ روئی کے حصول کے لئے کر رہا ہوں۔“

”کیا حرج ہے ذیلی؟“ روچی بول پڑی۔ ”بقیہ دنیا کے لئے تو یہ اس کے بعد لگکرے ہی ہوں گے۔ میں بھی لگکرًا سمجھوں گی۔“

”بڑی اعلیٰ نسل کی کتنا معلوم ہوتی ہو۔“ حمید بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔

”مشت اپ.....!“ سرفصل اور تو قیر بیک وقت دہائی اور پھر سرفصل غرایا۔ ”کیوں نہ اسے ختم کر دیں۔“

”ابھی نہیں۔“ تو قیر نے حمید کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ یہ حقیقت کون ہے؟“

”تو پھر.....؟“

”اسے باندھ کر بیٹھیں ڈال دیں اور جو بات زبانی طور پر ہوئی ہے اسے تحریر میں آجائے کے بعد میں اسے دیکھ لوں گا۔“

ذرا سی سی دیر میں روچی اور تو قیر نے اسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

حمد بڑی گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ لڑانا چاہتا تھا لیکن اپنی جانب اٹھے ہوئے ریو الور کی ٹال بھی اسے صاف نظر آ رہی تھی۔

روچی نے اپنے وٹی بیک سے قلم نکالا اور پھر شائد کاغذ کی تلاش میں باہر چلی گئی۔

تو قیر اور سرفصل خاموش کھڑے تھے۔

تحوڑی دیر بعد وہ دونوں ہی سادہ کانٹہ کے شیٹ لئے الگ الگ بیٹھے نظر آئے۔ ان کے قلم تیزی سے چل رہے تھے۔ پندرہ منٹ بعد دونوں نے تحریروں کا تبادلہ کیا اور انہیں بغور پڑھنے لگے۔

”بہت بڑے بڑے کارنے ہیں۔“ تو قیر طویل سائنس لے کر بولا۔

کی تھی۔ یاد کرو جب میں نے تم لوگوں کو اپنے پاکئے ہوئے مرغ کھلائے تھے اور پہلی بار میرا تعارف تم لوگوں سے ہوا تھا۔ اسی دن نیکم نصیر کی تجویز سے ہیروں کے دہاز غائب ہوئے تھے۔

”روجی کی واپسی تک بکواس کرلو۔ وہ ملازوں کا انتظام کرنے لگی ہے اس کے بعد.....

”ہونہ..... یہ ریوالر بے آواز ہے۔ ٹال پر چڑھا ہوا سائلنسر تو قیر پیچانتے ہی ہو گے۔“

”تیز آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں اپنا بزرگ پارٹنر بننے کی پیش کش بھی کرتا ہوں۔“

”تو قیر مسکرا کر بولا۔“

”بزرگ پارٹنر!“

”ہا۔ آں۔ بہت لمبا بزرگ ہے میرا۔ اربوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے بعض اوقات۔“

”ذرماں بھی تو سنوں۔“

”پورے میل ایسٹ اور فارا ایسٹ کے کچھ حصے کا بے ناج بادشاہ سمجھ لو مجھے۔“

”منشیات کی تجارت....؟“ سرفصل نے پوچھا۔

”منشیات کے علاوہ بھی..... سونا اور جواہرات....!“

”پھر یہ کون ہے؟“ سرفصل نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

استئنے میں روچی والیں آگئی۔

”کیا رہا۔!“ سرفصل نے پوچھا۔ جواب میں روچی نے کہا۔ ”بے ہوشی ملادی تھی کافی میں۔ تیوں بے ہوش پڑے ہیں۔“

”ویری گٹ۔! اب میرے پیچے کھڑی ہو جاؤ۔ میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔“

خڑناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے بڑا دھوکہ کھایا۔“

”آختم کس طرح مطمئن ہو سکتے ہو۔“ تو قیر نے پسکون الجھ میں پوچھا۔

اگر میں تمہارے بیان پر یقین بھی کروں اور تمہارا پارٹنر بننا بھی منحور کروں تو اس کی کیا

ضمانت ہے کہ تم بعد کو مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کرو گے۔

تو قیر کی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”اس کی تدبیر بھی ہو سکتی ہے۔ ہم دونوں ہی اپنے

”کاش میرے ہاتھ آزاد ہوتے اور میں تمہارا گلاغونٹ سکتا ہے۔“

”ای وجبے تو پیارے لگ رہے ہو کہ تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔“

”یکا کر رہے ہوئے“ دفنا تو قیریجنا۔

”اب تمہارے دونوں پیر بیکار کر رہا ہوں..... تو قیریجنا!“

سرفضل کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی ایک بہت ہی کریبہ جیج بھی کرے کی حمد و فضائل کوئی۔

یہ سب کچھ ہو گیا لیکن روئی حمید کا سر سہلا تی رہی۔

”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ حمید بڑا ہوا۔

ڈیڈی نے اس کے دونوں پیر بیکار کر دیے۔۔۔ اب میں اسے پہلے سے زیادہ چاہوں

گی۔۔۔ سخن اکھاڑ دیے ہوں گے۔ اس فن کے ماہر ہیں ڈیڈی۔“ اتنا کہہ کر اس نے جو حمید کے

سرز کے نیچے سے زانو ہٹایا تو حمید کی آنکھوں میں تارے ناق گئے۔۔۔ سرفش سے ٹکرایا تھا۔۔۔ پھر وہ

شدید ترین تکلیف میں بنتا ہونے کے باوجود بھی نہیں پڑا۔ کیونکہ اب وہ تو قیر کا سراپے زانو پر

رکھے سہلا رہی تھی۔ تو قیر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ فرش پر چلت پڑا تھا۔

سرفضل قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔ ”واقعی تم بہت جیا لے ہو تو قیر کہ بے ہوش نہیں

ہوئے۔۔۔ تمہارے دونوں سخن اکھر گئے ہیں اور تم اسوقت تک اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہو کوئی

گے جب تک وہ بھاند دیے جائیں۔“

لیکن وہ کچھ دیر پہلے والے سرفش میں حمید کی آواز تو نہیں تھی۔

”کیا.....؟“ حمید کے طلق سے عجیب سی آواز لکلی۔

”مکر کی بات نہیں ہے فرزند.....!“ اس نے فریدی کی اصل آواز سنی۔

”تو قیر کا یہ خیال کیسے غلط ہو سکتا ہے کہ میں سرفش میں حمید کی نقل ہوں۔“

”یعنی..... تو یہ تو قیر.....!“

”ہاں..... عرصہ ہوا اس نے کہا تھا کہ اس کے خلاف کبھی کوئی جرم ثابت نہ کیا جائے گا

اور پھر اس نے یہ بات مجھ سے کہی تھی۔۔۔ لہذا تم دیکھ ہی چکے ہو کہ اس نے خود ہی اپنے جرام کی

”تم کس سے کم ہو۔“ سرفش میڈ اے ٹھیں آمیر نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

دونوں نے ایک دوسرے کے اعتراف تھے کہ کے جیب میں رکھ لئے۔

”دوستی کا ہاتھ.....!“ تو قیر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

سرفضل نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”طاقت دکھار ہے ہو۔“

”کیا حرج ہے۔“ تو قیر مسکرا یا۔ ”روئی اکثر تمہاری جسمانی قوت کی کہاںیاں سنائی رہی

ہے۔۔۔ ہم ایک دوسرے کے جرام سے تو واقعہ ہی ہو گئے ہیں..... کیوں نہ ایک دوسرے کی

طاقت کا بھی اندازہ کر لیں۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں تو قیر.....!“ سرفش نے کہتے ہوئے جھکتا دیا اور تو قیر اس سے

آٹکرایا۔ پھر دوسرادھکا اسے سامنے والی دیوار تک لے گیا۔ حمید اسکی پوزیشن میں پڑا ہوا تھا کہ

انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اس نے تو قیر کی آنکھوں میں شدید ترین جملہ ہٹ کے آثار دیکھے۔ وہ غرانتا ہوا سرفش

کی طرف بڑھا۔

”اب میرا بھی ایک ہاتھ سنجالو..... میں غافل تھا۔“

”آؤ..... آؤ.....!“ سرفش نے پر سکون لجھے میں کہا۔ اُھر روئی حمید کی طرف جھپٹی اور

اُس کے سرہانے میٹھے کر اس کا سراپے زانوں پر رکھ لیا اور سر سہلا تی ہوئی بولی۔ ”انہیں زور

آزمائی کرنے دو۔ اس وقت تو تم لکھڑوں سے بھی بذریعہ نظر آ رہے ہو۔ اس لئے مجھے تم پر پیار

آ رہا ہے۔“

”تم کتیا سے بھی بذریعہ ہو۔۔۔ اپنی مثال آپ۔۔۔ اپنی قسم کی پہلی لڑکی۔۔۔ مجھے بڑا نازخا اپنی

اس صلاحیت پر کہ میں عورتوں کو بکھر سکتا ہوں۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن اُب میں اپنے انعام سے بے پرواہ کر

صرف تمہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کیا۔۔۔ یہ تو کچھ مجھ مرنے مارنے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔“

”اُھر مت دیکھو تم.....!“ روئی نے بدستور اس کا سر سہلا تی ہوئے کہا۔ ”بہت اچھے لگ

رہے ہواں وقت۔۔۔ بہت پیارے۔۔۔ کاش میں ڈیڈی کی موجودگی میں تمہیں پیار کر سکتی۔“

بھی مل ایسٹ میں رہتا تھا اور کبھی بیہاں آ جاتا تھا۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ لگڑا بن کر واپس آیا۔ مشہور کیا کہ اُس پر فانج کا حملہ ہوا تھا ایک ناگ بیکار ہو گئی۔ اس بارہہ نشیات کی نہ جائز تجارت کا جال پھیلا کر آیا تھا۔ اس طرح کہ عام کارکنوں کو علم نہ ہو سکے کہ تجارت کا اصل ماںک کون ہے۔ میں نے چھان بین کی تو سلسہ تو قیرنک پہنچا۔ لیکن کوئی واضح ثبوت نہ تھا اس کے خلاف اور پھر یہ ایک منش کا بھیجا بھی تھا۔ وال بندگی کی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لگڑا بھی نہیں ہے۔ لیکن بغیر کوئی ثبوت ہاتھ آئے اس کامیڈیکل ایکرومینیشن بھی نہیں کرایا جاسکتا تھا۔ لہذا میں نے یہ تدبیر اختیار کی۔ لگڑا بن جانے کے بعد سے وہ عورتوں کی محبت کو ترس گیا تھا۔ لیکن گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بعد سے وہ کسی ایسی عورت کی تلاش میں تھا جو اس سے محبت بھی کر سکے۔ میں نے خود کو سرفصل مجید کی حیثیت سے اس کے حلقة احباب میں متعارف کرانا شروع کیا۔ ریکھا میری بیٹھی بنی۔ ڈھلنے چھپے انداز میں تو قیر پر یہ بھی ظاہر کرتا رہا کہ میں بھی ایک عادی مجرم ہوں۔ ادھر ریکھا بھی اس میں دلچسپی لئی اور وہ اس پر ہزار جان سے فریفہ ہو گیا۔ اس کی حالت تو تم دیکھو ہی چکے ہو۔ ریکھا کو میں نے مخفی اس لئے شریک کیا تھا اس کیس میں کہ تو قیر بکھی اور کسی موقع پر اپنے مصنوعی لنگڑے پن کو بھول جائے۔ میں اسی جگہ وہ پوری طرح میری گرفت میں آ جاتا۔ میرا خیال تھا کہ عورت سے متعلق فطری تقاضے اُسے اس قسم کی بوكھلاہٹ میں جلا کر سکیں گے کہ وہ کسی نظرے پر اپنا لگڑا پن قطعی بھلا بیٹھے لیکن تم اُسے رات دیکھو ہی چکے ہو کہ وہ کس طرح اپنا لگڑا اپن برقرار رکھے تھا۔ اس رات وہ سب کچھ ہیلی بار سرزد ہوتی۔ نہ تم روی میں اجنبیت محسوس کر سکتے اور نہ ادا کاری میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے۔ ریکھا مخفی تھیں دکھانے ہی کے لئے ان لوگوں کی راہ روکتی تھی۔ جو اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقدمہ تھا کسی طرح وہ تھیں اپنی طرف متوجہ کرے اور تم اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ آرچوں والا دھماکہ اسی مقصد میں فریز زور پیدا کرنے کے لئے ہوا تھا۔ البتہ آصف پر زہریلا مادہ مجرموں ہی نے پھینکا تھا۔ یہ ایک بھی کہانی ہے جیسے صاحب۔ پانچ سال سے جل رہی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی کڑیاں بھی ملاتا رہتا تھا۔ تو قیر بیہاں کا ایک بڑا تاجر تھا۔

”اگر کچھ مجھ میرا دم گھٹ جاتا تو....!“ جیسے جل کر کہا۔

”اتی مہلت کب دینا اُسے۔ بس کچھ میرے اندازے کے مطابق ہوا تھا۔“

”تصویر..... اور تصویر کے دشمن کا کیا چکر تھا۔“

فہرست اپنے دستخط سمت میرے خواہ لے کی ہے۔

”تو کون ہے....؟“ تو قیر پھنسی پھنسی سی آواز میں چینا۔

”احمد کمال فریدی.... اور میر اعلق مرکزی مکمل سراغ رسانی سے ہے۔“

پھر وہاں قبرستان کا ساسانٹا چھا گیا۔ روئی بھی تو قیر کے پاس سے ہٹ آئی تھی۔

”اور یہ....!“ کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ”لیکن ساجد حمید میر استثنیت ہے۔“

”مل..... لیکن..... روئی.....!“ حمید ہٹلایا۔

”لیڈی اسپکٹر ریکھا..... تم کتنے احمق ہو۔۔۔ قریب سے بھی اُسے میک اپ میں نہیں بچا جان سکتے۔“

”جی....!“ حمید جلے کئے لبھ میں بولا۔ ”اب مجھے آپ کے اس کمال کی تقریباً ایک ہزار بار تعریف کرنی چاہئے۔“



دوسرے دن کرٹل فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ”تم الوہو۔ میں جب اور جس طرح چاہوں تھیں استعمال کر سکتا ہوں۔ اگر براہ راست تھیں اس کام پر مامور کرتا تو تم سے حاقدیں سرزد ہوتیں۔ نہ تم روی میں اجنبیت محسوس کر سکتے اور نہ ادا کاری میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے۔ ریکھا مخفی تھیں دکھانے ہی کے لئے ان لوگوں کی راہ روکتی تھی۔ جو اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقدمہ تھا کسی طرح وہ تھیں اپنی طرف متوجہ کرے اور تم اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ آرچوں والا دھماکہ اسی مقصد میں فریز زور پیدا کرنے کے لئے ہوا تھا۔ البتہ آصف پر زہریلا مادہ مجرموں ہی نے پھینکا تھا۔ یہ ایک بھی کہانی ہے جیسے صاحب۔ پانچ سال سے جل رہی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی کڑیاں بھی ملاتا رہتا تھا۔ تو قیر بیہاں کا ایک بڑا تاجر تھا۔



جید آفس کے کپاؤٹ کے پھانک پر لیڈی انکوٹر ریکھا کا منتظر تھا۔ وہ اسکوٹر پر آتی تھی اور جید کا ارادہ تھا کہ وہ آصف تک پہنچنے کے لئے اس کا اسکوٹر استعمال کرے اور اس طرح کرے کہ وہ اسکوٹر چلا رہی ہو اور جید تماشا بنا اس کے پیچے بیٹھا ہو اور نظر آئے اور اس خواہش کا تعلق کسی حکمتی کارروائی سے نہیں تھا بلکہ وہ آصف کی عیادت سے پہلے بہت زیادہ خوش طبی کے مظاہرے کا مودہ بنانا چاہتا تھا۔

جیسے ہی ریکھا کا اسکوٹر قریب پہنچا جید نے بوکھلانے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ ہلانے۔ اُسے اسکوٹر روکنا پڑا۔

”اس وقت کپاؤٹ میں کوئی گاڑی موجود نہیں۔ بے حد ضروری ہے کہ آصف سے کچھ باقی معلوم کی جائیں۔ چلو میرے ساتھ۔“ جید نے بوکھلانے ہوئے لجھے میں کہا۔ ”میں کیوں جاؤں..... تم گاڑی لے جاؤ۔“

”میرے بازوں میں سخت درد ہو رہا ہے۔ پینڈل کو صحیح طور پر گپ نہیں کر سکوں گا۔“

”ناچھا تو نیجو.....! وہ جملہ کر بولی۔

اسکوٹر دوسری طرف مڑھی رہا تھا کہ ریکھا بولی۔ ”میرے جسم سے الگ ہی رہنا۔“ ”اور پرسوں رات جو سہارا رہی تھیں میرا، زانو پر رکھے..... آہاٹھیک ہے وہ تو ذیڈی کی اجازت سے تھا۔“

”شش اپ.....!“

”اچھا یہ بتاؤ اگر وہ کچھ اپنے پیروں پر بھی کھڑا ہو گیا ہوتا تو کیا ہوتا۔“

”سوچے جاؤ احمقوں کی طرح۔“

”کاش میں لگڑا ہی ہوتا۔ کم از کم شادی پر تو راضی ہو گئی تھیں۔“

”شش اپ.....!“

”وہ چکر بھی تو تقریب کا ہی چلا یا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اس کی طرف سے آنکھیں قلعی بندر کر لی تھیں۔ فرشتات کی ناجائز تقسیم کی روک تھام کے لئے عرصہ سے شہر میں سفید پوش کا نشیلبوں کا جال بچا ہوا تھا۔ کچھ دنوں تک تقریب کا گردہ تقسیم کاری کی دشواریوں میں بیٹا رہا۔ پھر اس نے یہ تدبیر کی۔ دیوانہ کتاب اٹھا کر بھاگتا تھا اور عوام کے سفید پوش کا نشیل بھی اس کے پیچے دوڑ پڑتے تھے اور گردہ والوں کو موقع مل جاتا تھا کہ فرشتات کے اتناک اڑوں پر پہنچا دیں۔“

”لیکن وہ لوٹ مار.....!“

”میرا خیال ہے کہ معمولی چوروں اور اچکوں کی بھی بن آئی تھی ان موقع پر۔ تقریب کا گروہ اس میں پڑ کر مزید خطرات مول لینے کی جرأت نہ کرتا۔ بہر حال اس دیوانے کو بہت زیادہ پر اسرار بنانے کے لئے ایک مصنف کی ایک ہی کتاب کی کاپیاں اٹھوائی جاتی رہی ہیں اور کتاب کا صرف سرورق چھاڑا جاتا اور کتاب کی قیمت بھی کسی طرح دو کانڈا رکوب گھوادی جاتی۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ پولیس اس معنے کو حل کرنے کے چکر میں پڑی رہے اور وہ لوگ بہ آسانی نش آور چیزیں تقسیم کے اڑوں تک پہنچاتے رہیں۔ بہر حال تقریب گرفت میں آتی گیا۔ اس کا اعتراف جرم تحریر کی شکل میں میرے پاس موجود ہے اور اس کرے کی ساری کہانی شیپ ریکارڈ پر بھی ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔ اگر اس نے اعتراف نہ کرے کو پولیس کے جبرا کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی تو ریکارڈ کیا ہوا ایسیپے اسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دے گا۔“

”اس ساحلی ہوٹل میں ایک جہاز راں سے آپکا جھکڑا کیوں ہوا تھا؟“ جید نے پوچھا۔

”وہ سارا ست اپ تمہیں الجھانے کے لئے تھا۔ وہ چاروں جہاز راں بلکہ فورس کے ممبر تھے۔ اسکیم یہ تھی کہ وہ پہت کر تمہاری گاڑی لے بھاگے گا اور تم مجبوراً میری گاڑی میں ہی آبیٹھو گے اور میں تمہیں وہ دکھاؤں گا جو دکھانا چاہتا تھا۔ اس کا انتظام بھی پہلے ہی سے کر لیا تھا کہ وہاں کوئی تیسرا گاڑی پارک نہ ہونے پائے۔“

”الدرجہ کرے میرے حال پر.....!“ جید خندی سبانس لے کر بولا۔ ”اب احساس ہوا ہے مجھے کہ میں ایشیا کا عظیم ترین بدھو ہوں۔“

”اس میک اپ میں پھر بھی ملے گی۔“

”ضرور..... ضرور..... ہائیں..... ارے..... لوٹج وائز نوٹ گیا۔“

اسکوٹر سڑک کے کنارے رک گیا۔ حیدر آزاد۔

”اب کیا کریں..... یہاں آس پاس کسی آٹو پارٹ ڈیلر کی دوکان بھی نہیں۔ اب تم اسے کھینچ کر لے چلو۔“

”میں کھینچوں؟“

”زارے وہ دیکھوں طرف..... عادل آٹو..... وہ رعنی دوکان..... دوڑ کر لج وائز عی لے آؤ۔“

”لگائے گا کون.....؟“

”دوکاندار سے معلوم کر لینا..... ہو سکتا ہے وہیں کوئی لگادے اور پھر اس کا لگانا کون سا برا مشکل کام ہے۔“

حیدر نے جھپٹ کر سڑک پار کی اور پھر جو مرکز دیکھا ہے تو احقوں کی طرح دیکھتا ہی چلا گیا۔ ریکھا نے دوبارہ اسکوٹر اسٹارٹ کیا تھا اور نیہ جاوہ جا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نظرؤں سے اچھل ہو گئی۔

خش طبعی رخصت ہو گئی۔ پہلے تو ذہن پر کھیاہٹ کا حملہ ہوا پھر جھنجلاہٹ نے رہے ہے موڈ کا بھی پیرا غرق کر دیا۔

آصف کی عیادت کو تو جانا ہی تھا کیونکہ فریدی کی طرف سے اس کے لئے ہدایت ملی تھی۔

ایک آٹو رکشا میں آصف نکل پہنچا۔

وہ چت لیٹا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ چہرے کی حالت ابتر عی تھی۔ ابھی آبلے نشک ہو چلے تھے لیکن ان کی میالی رنگت نے چہرے کو عجیب سا بنا دیا۔ حیدر کو دیکھتے ہی وہ غریا۔ ”چلے جاؤ یہاں سے..... مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔“

”مجھے تو ضرورت ہے کہ بخیر و عافیت رہوں۔ حکم ملابے کہ آپ کی عیادت کو جاؤں لے لذا حاضری دے رہا ہوں۔“

ختم شد

